اردو قواعد

تالیف

ڈاکٹر شوکت سبزواری

*

حواشی

سید قدرت نقوی

فہرست

یہ کتاب

یہ ڈاکٹر شوکت سبزواری مرحوم کی آخری تصنیف ہے۔

اِس کتاب کے لکھنے کا خیال انھیں ایک عرصے سے تھا، اور وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "اردو قواعد کی جتنی بھی کتابیں موجود ہیں، وہ عربی، فارسی یا انگریزی قواعد کے تتبع میں لکھی گئی ہیں، کسی نے اردو زبان کے مزاج و منہاج کو سامنے رکھ کر اس کے اصول و قواعد مرتب نہیں کیے۔ میں قواعد کی ایسی ہی کتاب لکھنا چاہتا ہوں"۔ ——ظاہر ہے کہ اس قسم کی کتاب وہی لکھ سکتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی منصبی اور ذاتی مصروفیات کچھ ایسی تھیں کہ انھیں وہ یکسوئی حاصل نہ ہو سکی جو اِس قسم کے کاموں کے لیے بنیادی ضرورت کا درجہ رکھتی ہے۔ تقریباً چھ سات برس تک وہ اس موضوع پر غور و فکر کرتے اور اپنی یادداشتیں ایک بیاض میں درج کرتے رہے۔ ۱۹۷۱ء کے وسط میں انھوں نے یہ مسودہ بنا کر کتاب لکھنی شروع کر دی ہے۔ کوئی سال بھر اِس کام میں مشغول رہے ہوں گے کہ وہ بیمار ہو گئے۔ ۱۹۷۲ء کے آخر میں ان کی صحت بالکل جواب دے گئی، یہاں تک کہ ۱۵ مارچ ۱۹۷۳ء کو اُن کا انتقال ہو گیا۔

بیماری کے دوران ڈاکٹر صاحب مرحوم کو اپنی صحت سے زیادہ اِس کتاب کی تکمیل کا خیال رہتا تھا۔ وہ بار بار اِس خواہش کا اظہار کرتے تھے کہ صرف چھ مہینے کے لیے انھیں صحت مل جائے تو وہ اِس کتاب کو مکمل کر دیں۔ لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا، اور کتاب نامکمل رہ گئی۔ اُن کی بیماری کے دوران جب کبھی میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ اِس کتاب کا ذکر ضرور کرتے تھے۔ انتقال سے کوئی دو ہفتے پہلے جب انھیں اپنی زندگی کی طرف سے مایوسی ہو چکی تھی، ایک روز انھوں نے کتاب کا مسودہ میرے حوالے کیا کہ اس کا عکس بنوا لاؤں۔ میں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ انھوں نے مسودہ تو اپنے پاس رکھ لیا اور اس کا عکس میرے حوالے کرتے ہوئے فرمایا: "اِسے آپ اپنے پاس رکھیے، اگر میرا انتقال ہو جائے تو اسے چھپوا دیجیے گا۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر مسودے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا "میری خواہش تو یہی تھی کہ مرنے سے پہلے اس کتاب کو مکمل کر دوں۔ مگر اب اس خواہش کی تکمیل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ جو کچھ لکھا ہے اس پر نظرِ ثانی کی مہلت بھی نہیں ملی۔

بہرحال جو کچھ ہے، یہ بھی اردو میں اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے، مجھے امید ہے کہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہیں ہوگی۔"

اور آج جب کہ ڈاکٹر صاحب کے انتقال کو نو برس پورے ہو چکے ہیں، میں اس کتاب کو غم اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ شائع کر رہا ہوں۔ غم اس بات کا کہ ڈاکٹر صاحب اس کتاب کو مکمل کرنے کی حسرت لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے، خوشی اس بات کی کہ میں مرحوم کی وصیت کی تعمیل کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو امید تھی اور مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کی اشاعت فائدے سے خالی نہیں ہوگی۔ گو اس میں قواعد کے صرف حصۂ صرف کا بیان ہے اور وہ بھی نامکمل، نحو کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا، تاہم یہ اپنی موجودہ صورت میں بھی اردو قواعد میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔ اس کو مشعلِ راہ بنا کر اُردو قواعد نویسی کے کام کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم اس کام پر نظرِ ثانی نہیں کر سکے تھے، اس کا موقع ملتا تو وہ یقیناً اپنی عادت کے مطابق اس میں کمی بیشی کرتے۔ ظاہر ہے کہ اب یہ کام کوئی دُوسرا نہیں کر سکتا تاہم میں نے احتیاطاً سید قدرت نقوی صاحب کو کتاب کا مسودہ دکھایا اور یہ گزارش کی کہ وہ اس پہ ایک نظر ڈال لیں، اور اس میں مختلف کتابوں کے جو حوالے اور اقتباسات دیے گئے ہیں، اُن کا اصل سے مقابلہ کر لیں۔ نقوی صاحب نے بڑی محنت سے یہ کام انجام دیا ہے۔

سید قدرت نقوی صاحب کو کئی برس تک ترقی اردو بورڈ کراچی میں ڈاکٹر شوکت سبزواری کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس کتاب کی تالیف کے دوران ڈاکٹر صاحب اکثر نقوی صاحب سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے۔ نقوی صاحب، ڈاکٹر صاحب کے علمی مزاج اور طریق کار سے بخوبی واقف ہیں، اس لیے اس کتاب کے مسودے پر نظر ڈالنے کا اُن سے زیادہ کوئی اہل نہیں۔ دورانِ مطالعہ نقوی صاحب نے محسوس کیا کہ بعض مقامات پر مباحث اُس صورت میں نہیں ہیں جیسا کہ انھیں ہونا چاہیے تھا۔ ظاہر ہے کہ اصل مسودے میں ترمیم کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا میں نے نقوی صاحب سے گزارش کی کہ وضاحت طلب مقامات پر وہ اپنے خیالات کا اظہار حواشی میں کر دیں۔ نقوی صاحب نے تقریباً اسّی مقامات پر حواشی لکھے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کے خیالات کی توضیح و تشریح ہی نہیں، اُن سے اختلاف بھی کیا گیا ہے جس سے قاری کو متعلقہ مباحث پر مزید غور و فکر کی ترغیب ملتی ہے۔ میں نقوی صاحب کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے میری خاطر، اور اس سے زیادہ ڈاکٹر صاحب مرحوم سے اپنے گہرے مراسم کی بنا پر یہ حواشی لکھے۔ نقوی صاحب نے جو حواشی لکھے ہیں، ان کے آخر میں حرف "ق" درج کیا گیا ہے۔

مشفق خواجہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجزائے کلام

۱ ـــــ کلام (بات) دُو یا دُو سے زیادہ لفظوں کا مجموعہ ہے، جو مفہوم کے اعتبار سے مکمل ہو، اور جس میں کوئی ایک بات پوری پوری بیان ہو جائے۔

(ا) گفتگو میں ایک بات بھی بیان ہوتی ہے اور ایک سے زیادہ باتیں بھی:

بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

اس میں ایک بات بیان ہوئی ہے:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

اس میں دُو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک پہلے مصرعے میں دوسری دُوسرے مصرعے میں۔ اور یہ دونوں باتیں اپنی جگہ بھرپور یعنی مکمل ہیں۔

(ب) کلام کو ترکیب تام (مرکب تام) اور جملہ بھی کہتے ہیں۔ جملہ، مرکب تام، کلام ہم معنیٰ الفاظ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو سکتا ہے۔

(ج) کلام، دُو یا دو سے زیادہ کلموں سے وجود میں آتا ہے۔ اس لیے کلمے کو کلام کا جز اور اس کی اکائی سمجھنا چاہیے:

بندگی / میں / مرا / بھلا / نہ / ہوا

اس میں بندگی، میں، مرا، بھلا، نہ، ہوا، کُل چھے لفظ ہیں ان میں کا ہر لفظ کلمہ ہے۔

۲ ـــــ "کلمہ" (بول) وہ لفظ جس سے صرف ایک (مفرد) معنی مراد لیے جائیں۔

(ا) بندگی، میں، مرا، بھلا، نہ، ہوا، چین، اب، تو۔ ان الفاظ سے صرف وہی ایک معنی مراد لیے جاتے ہیں جن کے لیے یہ وضع ہوئے۔ اس لیے ان میں کا ہر لفظ ایک "کلمہ" ہے۔

(ب) بندگی میں، مرا بھلا، نہ ہوا۔ یہ دو دو لفظوں کے مجموعے ہیں اور ہر مجموعہ دُو مختلف معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ یہ کلمے نہ ہوں گے۔ سرپوش، دُھکڑ پکڑ، اُڑن کھٹولا، سر اُٹھانا، بھاگ جانا" بھی اگرچہ دو دو لفظوں کے مجموعے ہی ہیں لیکن ہر مجموعے سے صرف ایک معنی مراد لیے جاتے ہیں

اس لیے ان میں کا ہر مجموعہ (دو لفظی) کلمہ ہوگا۔

(ج) 'لفظ' اور 'کلمہ' ہم معنی ہیں بعض اہل قلم نے ان میں فرق کرتے ہوئے لکھا ہے:[1]

لفظ، بسیط یعنی غیر مرکب ہوتا ہے۔ کلمہ مرکب بھی ہوتا ہے اور غیر مرکب بھی۔ 'اُڑن کھٹولا' لفظ نہیں کلمہ ہے۔ کھٹولا لفظ بھی ہے اور کلمہ بھی۔ اس لحاظ سے لفظ اور کلمہ میں عام خاص مطلق کی نسبت ہوگی۔

(د) تنہا ایک بسیط آواز (یا حرف) سے بھی کلمہ وجود میں آتا ہے اور ایک سے زائد آوازوں یا حروف سے بھی جیسے:

آ (نافیہ)، پر، پری، پانی، جھگڑا، چرچراہٹ، استفہامی۔

۳ــــ کلمہ کی حسب ذیل پانچ قسمیں ہیں:

اسم، صفت، فعل، متعلق فعل (تمیز)، حرف

(و) عربی زبان کے قواعد نویسوں نے اسم، فعل، حرف، کلمہ کی صرف تین قسمیں کی ہیں۔ انگریزی قواعد نویس اس کی آٹھ قسمیں بتاتے ہیں:

اسم، ضمیر، صفت، فعل، متعلق فعل، رابطہ، عاطفہ، فجائیہ

اُردو کے مزاج و منہاج کے پیش نظر ضمیر کو اسم میں شامل ہونا چاہیے، اور آخر کی تین قسموں کو حرف میں۔ رابطہ، عاطفہ، فجائیہ کے علاوہ بھی حرف کی بہت سی قسمیں ہیں جو اپنے مقام پر بیان ہوں گی۔[2]

(ب) متعلق فعل ترجمہ ہے ADVERB کا۔ بعض اہل علم نے عربی کی تقلید میں اس کے لیے 'تمیز' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن مفہوم کے لحاظ سے 'تمیز' محدود اور متعلق فعل کے وسیع تر مفہوم سے کسی قدر مختلف ہے۔

(ج) صفت بھی اگرچہ اسم ہی کی ایک قسم ہے، اور اس حیثیت سے جداگانہ اس کا ذکر مناسب نہ تھا، لیکن صفت کا بطور نعت استعمال اور اس کے گوناگوں احوال و احکام اس کے متقاضی تھے کہ کلمہ کی مستقل صنف قرار دے کر اسی کا ذکر کیا جائے۔[3]

(د) مذکورہ بالا قسموں کے علاوہ کلمہ کو مستقل اور غیر مستقل دو حصوں میں رکھا گیا ہے۔ مستقل کلمہ جسے انگریزی میں FREE FORM کہتے ہیں، دوسرے کلمے کی مدد کے بغیر اپنے معنی

---

(۱) آئین اردو - ص ۵۴

(۲) جیسپرسن نے کلمہ کی پانچ قسمیں کی ہیں: اسم، فعل، ضمیر، صفت، حرف (PARTICLE)

(۳) اردو قواعد، ڈاکٹر مولوی عبدالحق

بتاتا ہے۔ 'کلمہ' کی پہلی چار قسمیں مستقل ہیں۔ غیر مستقل (BOUND FORM) کسی دوسرے کلمے کا سہارا لیے بغیر اپنے معنی نہیں بتاتا۔ جیسے: اے، پر، ایک، آ، ان۔ حروف خصوصاً سابقے اور لاحقے اسی ذیل میں آتے ہیں۔

اسم

۴ ـــــ منصرف یا تغیر پذیر کلمہ 'اسم' ہے جو تنہا زمانے کے بغیر اپنے معنی بتاتا ہے۔ یہ معنی محسوس بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسے: آگ، پانی، مٹی، درخت، گھر، گھوڑا، گرمی، سردی۔ اور غیر محسوس بھی، جیسے: ڈر، امید، شرم، ہمت، قسمت، آس، نراس، علم، رعایت۔

(و) عربی قواعد نویسوں کے نزدیک ضمیر اور متعلق فعل (تمیز) اسم میں شامل ہیں۔ اس لیے انھوں نے اسم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"وہ کلمہ جو اکیلا اپنے معنی دے اور اس میں کوئی زمانہ نہ پایا جائے۔"

ضمیر اور متعلق فعل تنہا معنے بھی دیتے ہیں اور ان میں کوئی زمانہ بھی نہیں ہوتا۔ اس تعریف کی رو سے وہ حروف بھی اسم میں شامل ہو جائیں گے جو معنی کے لحاظ سے مستقل ہیں یعنی کسی دوسرے اسم کے محتاج نہیں جیسے: کیا، کیوں، کیسے وغیرہ۔

(ب) تغیر پذیر کے معنی ہیں سیاق کے لحاظ سے نت نئے روپ اختیار کرنے والا۔ اسم منصرف تو ہے زمانے کا محتاج نہیں۔ فعل منصرف بھی ہے، زمانے کا محتاج بھی۔ متعلق فعل نہ منصرف ہی ہے نہ زمانے کا محتاج ہی۔ حرف منصرف بھی نہیں[1]، زمانے کا محتاج بھی نہیں، تنہا اپنے معنی بھی نہیں دیتا۔

۵ ـــــ 'مانع' اور 'مطلق' اسم کی دو بڑی قسمیں ہیں:

'مانع' وہ اسم ہے، جو متعلق اور مخصوص معنوں کے لیے ہو، اور اس کا اطلاق صرف اُن ہی معنوں پر کیا جائے۔ اس کے مقابلے میں مطلق بطریق تبادل ہر اسم پر بولا جاتا ہے۔ جیسے: وہ، یہ، جو وغیرہ۔ 'وہ' سے ایک انسان بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور ایک جانور یا پتھر وغیرہ بھی۔

(ل) اسم مطلق کو سنسکرت میں سَرو نام (سب کے لیے) کہتے ہیں۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں:

---

(۱) بعض حروف میں جزوی تغیرات بھی ہوتے ہیں۔ کیسا، کیسی، کیسے۔ اتنا، اتنی، اتنے وغیرہ۔ انھیں منصرف نہیں کہا جا سکتا۔

ضمیر، اشارہ، موصول، کنایات، اعداد

(ب) اسم مانع کی تقسیم افراد کے لحاظ سے بھی کی گئی ہے اور محض ساخت یعنی وضع کے لحاظ سے بھی۔ ان تین اعتبارات سے اسم مانع کی جدا جدا تین قسمیں ہوئیں:

افراد کے اعتبار سے:

اسم خاص (علم)، اسم عام، اسم جنس (مادہ)، اسم جمع۔

معنی کے اعتبار سے:

اسم ذات، اسم صفت، اسم معنی۔

ساخت یا وضع کے اعتبار سے:

جامد (سادہ)، ماخوذ (مشتق)، مرکب

(ج) یہ جدا جدا تین تقسیمیں ہیں اس لیے ان میں تقابل نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک اسم "اسم ذات" بھی ہو، اسم عام، سادہ یا ماخوذ بھی۔ اسی طرح اسم معنی، اسم عام بھی ہو سکتا ہے، اسم ماخوذ یا اسم سادہ بھی۔ مثلاً گھوڑا، اسم ذات، اسم سادہ اور اسم عام ہے۔ "سیلن" اسم عام، اسم معنی اور اسم ماخوذ ہے کہ 'سیلنا' مصدر سے الف گرنے کے بعد بنا ہے۔

۱۔ اسم باعتبار افراد

۶ ـــــ خاص شخص، چیز یا جگہ کا نام جو سننے والے کی اس چیز، شخص یا جگہ کی طرف رہنمائی کرے اسم خاص ہے۔ جیسے:

آدم، نوح، راما، غالب، آتش، شبلی، اقبال، کراچی، راوی، ہندوکش، انجیل، قرآن، زبور، زہرہ، مشتری، آفتاب، چاند۔

(ل) اسم خاص ترجمہ ہے PROPER NOUN کا۔ عربی میں 'علم' کہتے ہیں۔ بعض قواعد نویسوں نے اسم معرفہ لکھا ہے جو درست نہیں۔

ایک سے زیادہ اشخاص اور اشیا کو کبھی ایک نام سے یاد کرتے ہیں، لیکن ایک وقت میں جو نام صرف ایک شخص یا چیز پر بولا جائے اور کسی ایک شخص یا چیز پر صادق آئے وہ علم ہے۔ اردو کہاوت ہے: "نانو اور گانو بستے چلے آئے ہیں"۔

۷ ـــــ اسم خاص کی حسب ذیل پانچ قسمیں ہیں:

(۱) نام: عموماً کسی نسبت یا تعلق کے بغیر تعارف کے لیے رکھا جاتا ہے۔ جیسے:

احمد، محمود، راوی، تیج، چاند، سورج

(۲) کُنیت : اب ، ابن ، ام ، بنت وغیرہ رشتہ ظاہر کرنے والے الفاظ کی ترکیب سے وجود میں آنے والا نام ، جیسے : ابوتراب ، ابنِ بطوطہ ، ام کلثوم

(۳) خطاب : بادشاہ ، امیر یا کسی جماعت اور طبقے کی طرف سے صلۂ خدمت کے طور پر عطا کیا جاتا ہے جیسے : قائدِ اعظم ، محسن الملک ، نجم الدولہ ، اورنگ زیب ، شیرِ بنگال۔

(۴) لقب یا عرف : وصف ، تعلق یا نسبت کی بنا پر نام کی طرح شہرت پا جاتا ہے جیسے : مرزا نوشہ (غالبؔ) ، کلیم اللہ (موسیٰ علیہ السلام) ، میر کلّو (میر تقی کے صاحبزادے) ۔ پیار کے نام عرف کے ذیل میں آتے ہیں جیسے : اچھے میاں ، ستّو ، ملّو ، عبدل۔

(۵) تخلّص : شاعر کا مختصر نام جو اصلی نام کی جگہ عموماً نظم میں برتا جاتا ہے۔ جیسے : غالبؔ ، ناسخؔ ، انشاؔ ، حالیؔ ، شبلیؔ۔

توضیحات :

(ا) وہ خطابات اس ذیل میں نہیں آتے جو تعارف کی جگہ تعریف اور تمیز کی جگہ امتیاز کے لیے حکومت کی طرف سے خاص خاص لوگوں کو دیے جاتے اور نام سے پہلے لکھے جاتے ہیں۔ جیسے : خان صاحب ، خان بہادر ، رائے بہادر ، سر ، ستارۂ پاکستان وغیرہ ۔ یہی حال امتیازی القاب کا ہے ۔ جیسے مولوی صاحب ، ملّا جی ، منشی جی ۔ یہ عمومی القاب و خطابات ہیں ۔ لیکن جب یہ خاص طور سے کسی ایک شخص کے لیے استعمال ہوں تو علم ہوں گے ۔

عربی میں بعض جانوروں کو ان کے عام نام کی طرح کنیت سے یاد کیا جاتا ہے ۔ مثلاً شیر کو ابوالحارث کہتے ہیں ۔ اس قسم کی کنیتیں اسم عام ہوں گی ۔

(ب) اسم خاص کو عام صفاتی نام کی طرح استعمال کریں تو اس کی مدت ختم ہو جائے گی اور اس سے حسبِ قاعدہ حاصل مصدر بھی ڈھالا جائے گا جیسے : حاتم (بمعنی سخی) ، رستم (بمعنی بہادر) ، فرہاد (بمعنی عاشق) ۔

دل ماہ وشوں میں یوں لٹایا اے قہر غضب کی حاتمی کی

بھرے گر رستمی کا دم عدو پر سامنے میرے جب آئے عشق کے میدان میں تو جانے عجب کیا ہے

جگر اور دل کو کیا کیسے عجب پرغم یہ دونوں تھے جو سچ پوچھو تو اس برداشت میں رستم یہ دونوں تھے

۸ ــــــ اسم عام : وہ اسم ہے جو بے شمار افراد و اشیا پر یکساں طور سے بولا جائے اور باری باری

سب پر صادق آئے ۔ جیسے : گھر ، گھوڑا ، پگڑی ، ٹوپی ، چھتّی ، کوٹھا ، کوچہ ، گھڑی ، دروازہ ، ندی ، دریا ، باغ ، کمرا ، دالان ، آنکھ ، کان ، جوتی ، توپ ، تلوار ، بندوق ، پھول ، پھل ، چٹان ، پہاڑ ، عقل۔

توضیحات :

(ا) اسم عام انگریزی COMMON NOUN کا لفظی ترجمہ ہے ۔ عربی میں اسم نکرہ کہیں گے ۔ بعض قواعد نویسوں نے "نکرہ" لکھا ہے ۔ لیکن اسم عام اور نکرہ میں فرق ہے ۔

(ب) اسم عام فرد پر صادق آتا ہے ۔ اس کے کسی جز ، ٹکڑے یا حصے پر نہیں بولا جاتا ۔ پورے مکان کو گھر کہیں گے ۔ دالان ، کمرے یا تنہا برآمدے کو گھر نہیں کہیں گے ۔ پایوں ، سیرووں ، پٹیوں کو ملا جلا کر پلنگ کہتے ہیں ۔ صرف پٹیوں کو پلنگ نہیں کہتے ۔ یہی حال گھڑی ، باغ ، چٹان ، پہاڑ کا ہے ۔

(ج) اسم عام عموماً اسم ذات ہوتا ہے ۔ خارج میں بے شمار افراد پائے جانے کے باعث اسم عام کو جمع کے قالب میں ڈھالا جا سکتا ہے ۔

۹ ــــــ اسم جنس (مادّہ) اس اسم کو کہیں گے جس کے افراد مشخص نہ ہوں اور الگ الگ کر کے اُنھیں شمار نہ کیا جا سکے ۔ دھاتوں کے نام اسی ذیل میں آتے تھے اس لیے انگریزی قواعد نویسوں نے اسم کی اس قسم کو اسم مادہ (MATERIAL NOUN) کے نام سے یاد کیا ہے ۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں : آگ ، پانی ، مٹی ، ہوا ، سبزہ ، خوشبو ، دودھ ، دہی ، نمک ، مرچ ، پسینہ ، آٹا ، لکڑی ، سونا ، چاندی ، لوہا ، جست ، تانبا ، پیتل ، موم ، سوت ، بلور ، کاغذ ، پان ، نوالہ ۔

توضیحات :

(ا) اسم جنس (اسم عام کے برخلاف) کُل اور جُز دونوں پر صادق آتا اور سالم چیز کے ساتھ اس کے کسی حصے پر بھی بولا جاتا ہے ۔ لکڑی پورے ڈھیر کو بھی کہیں گے اور ایک لکڑی کو بھی ۔ دو من آٹا بھی آٹا ہے اور اس کی ایک چٹکی بھی ۔

(ب) اسم جنس کے افراد کو جو در اصل افراد نہیں اجزا ہیں ، گنا نہیں جاتا (یا گنا نہیں جا سکتا) اس لیے اس کی جمع نہیں آتی ۔ آٹے ، سبزے ، مٹیاں ، خوشبوئیں کہنا درست نہیں ۔ اِلّا یہ کہ اسے اسم عام قرار دیں اور کثرت یا تنوع ظاہر کرنے کے لیے اس کی جمع بنائیں ۔ ذہابے

ابیات ملاحظہ ہوں :

کھڑے سرو کی طرح چمپا کے جھاڑ — کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ (میر حسن)

صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول — پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول (میر حسن)

پتوں کی سردمہری ڈوبینے سے جو دیکھی ہے — تو آتے ہیں مجھے ٹھنڈے پسینے ڈوبینے سے (ظفر)

"ایک چارپائی کانس کے بانوں سے بنی ہوئی" (طلسم ہوشربا)

خوشبوئی (خوشبو) مولسری، پسینہ، بان کو اسم عام قرار دے کر ہی ان مثالوں میں جمع لایا گیا ہے۔

۱۰ـــــــ جو ایک قسم کی بہت سی چیزوں یا اشخاص و افراد کے گروہ یعنی مجموعے پر بولا جائے اور ان کے کسی ایک فرد پہ صادق نہ آئے وہ "اسم جمع" ہے۔ جیسے : لشکر، انجمن، مجلس، فوج، قافلہ، جماعت، قوم، قبیلہ، رعیت، قطار، منڈلی، ریوڑ، ڈار، جھنڈ، لوگ، اہل، خیل۔

توضیحات :

(ی) اسم جمع لفظاً واحد ہی لیکن ایک سے زیادہ افراد پر دلالت کرتا ہے، اس لیے اُسے جمع ہونا چاہیے۔ بعض اسما اردو میں جمع نہیں، بعض واحد۔ بعض واحد اور جمع دونوں۔ "لوگ" اور "اہل" اردو میں جمع ہیں :

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں — آج غالب غزل سرا نہ ہوا (غالب)

جلد ان کو بھیجو لوگ جو ہیں کاروبار کے — لے آؤ اشتروں سے قناتیں اُتار کے (انیس)

تمھارے لوگ کہتے ہیں کمر ہے — کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے (آبرو)

کیا امر ہے بت خانے سے نافر ہے برہمن — کیا نہی ہے خود توڑتے ہیں اہل غنا ساز

اس کو دل کا مکان دیتے ہیں — اہل اس گھر پہ جان دیتے ہیں (میر)

اے اہل زراعت تمھیں امداد کو آؤ — لٹتی ہوئی کھیتی کو محمدؐ کی بچاؤ (انیس)

خیل (گروہ) واحد بھی ہے اور جمع بھی :

وہ پاڑوں کی ریتیں غزالوں کے خیل — وہ رنے کہ تگ و زمیں بھی دہیل (صبا)

ہے وہ سخی ابن سخی عالم میں ہے جس کا چرچا بھی — دنیا میں خیل آدمی ہے اُس کا ممنون کرم (نسیم دہلوی)

قوم، جماعت، دل، انجمن، لشکر، طبقہ، پرا اور ان کے ہم معنی الفاظ مفرد ہیں :

کسی نے اُف بھی نہ کی شمع جل کے خاک ہوئی — نہ ہو سکے گی مگر آتش یہ انجمن مٹی (آتش)

گرا ناتوانی سے جو وہ امام — پریشاں ہوا اس جماعت کا حال (میر)

"قوم میں وہ کل گروہ داخل ہے جو کسی خطۂ زمین میں آباد ہو۔" (علم معیشت)

تاریاں سوں زیادہ تھا اُسے دل (ابن نشاطی)

چلی جو کران تب حرارت کی فوج (نصرتی)

(ب) اسم جمع کی جمع بنا کر ایک سے زیادہ گروہ یا جماعتیں مراد لی جاتی ہیں :

لاکھوں پرے سوے گلستاں گرے — ٹوٹ کے مرغانِ خوش الحان گرے (قدر بلگرامی)

"الگ الگ جماعتیں طالب علموں کی بلحاظ عمر کے بنائی گئیں۔" (سر سید)

"پروردگار کے لشکروں کو کوئی اس کے سوا نہیں جانتا۔" (نذیر احمد)

"انجمن کی طرف سے بھی تار بھیجا ہے بلکہ دیگر انجمنوں کی طرف سے بھی۔" (محسن الملک)

"معاشرے کو علحدہ علحدہ طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔" (اصول تعلیم)

"پانچ لشکر کا حملہ پے در پے اس شہر میں ہوا۔" (غالب)

۲۔ اسم باعتبار معنیٰ

۱۱ـــــــ معنی پر نظر کریں (جس کے لیے اسم وضع ہوا ہے) تو اس کی تین صورتیں ہوں گی۔ محسوس یا موجود فی الخارج یعنی ٹھوس حقائق پر دلالت کرنے والا اسم "اسم ذات" ہے جیسے : تخت، کرسی، چلمچی، پیالی، پلنگ، چولھا، آگ، پانی، مٹی، دیوار، دروازہ، کھڑکی، کتاب، گھوڑا، گدھا، لشکر، راوی۔

(ا) اسم ذات کو انگریزی میں CONCRETE NOUN کہتے ہیں۔ یہ اسم عام بھی ہو سکتا ہے، اسم خاص، اسم جنس اور اسم جمع بھی۔ گھوڑا اسم عام ہے۔ پانی اسم جنس ہے، اور لشکر اسم جمع ہے۔ راوی اسم خاص۔

۱۲ـــــــ جو ذات مع الصفت پر دلالت کرے وہ اسم صفت ہے۔ جیسے : نیک، بد، پاک، خوب، اچھا، بُرا، بڑا، چھوٹا، جوان، بوڑھا، دُبلا، پتلا، موٹا، چست، سست، خاکی۔

توضیحات :

(ا) اسم ذات، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، محض ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اسم صفت

ذات کے ساتھ صفت بھی بتاتا ہے، جو ذات سے وابستہ ہوتی ہے۔ اسم صفت سے صفت والی ذات سمجھ میں آتی ہے۔ 'نیک' کے معنی ہیں وہ شخص جس میں نیکی پائی جاتی ہو۔ 'بد' اس ذات کو کہیں گے جس میں بدی یعنی اخلاقی برائی ہو۔

(ب) اسم صفت ذات پر دلالت کرتا ہے اس لیے اسم ہے۔ اس سے صفت سمجھ میں آتی ہے اس لیے صفت (نعت) ہے۔ جب یہ اسم کے طور پر استعمال ہو تو اس کی جمع بنے گی۔ ذیل کے شعر میں 'اچھا' اسم ہے:

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے   یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے   (غالبؔ)

'چھوٹا' اور 'دبلا' ذیل کے دو شعروں میں جمع استعمال ہوئے ہیں۔ یہ بھی اسم ہوں گے:

چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ جرار بڑے ہیں
دیکھو یہی بپھرے ہوئے دو شیر کھڑے ہیں   (انیسؔ)

یاد ہے اے مہرؔ ان کے دست و پا کی فربہی
کس طرح دبلے نہ ہوں اتنے ہمارے ہاتھ پاؤں   (مہرؔ)

درد مند اور شرمندہ جیسے خالص صفاتی اسما کی بھی جمع بنائی گئی ہے اگرچہ اب یہ ناپسندیدہ اور غیر فصیح ہے:

منج سار کے کئی ایک بندے مسکین دبلے درد مندے
ہیں تج کرم کے شرمندے ہم راج کراتے راج توں   (غواصی)

۱۳ــــــ جو کیفیت، حالت، وصف یا معنی بتائے اسے اسم معنی کہیں گے۔ جیسے: عادت، خوبی، برائی، علم، سمجھ، لافانی، رنج، خوف، جزا، سزا، ابتدا، انتہا، دکھ، درد، انجام۔

(ل) اسم معنی انگریزی کا ABSTRACT NOUN ہے۔ عام طور سے قواعد نویس اسے اسم کیفیت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ معنی سے مراد وہ صفات ہیں' جو ذات سے الگ نہ ہوں' یا ذات کے ساتھ اور اس سے گھل مل کر وجود میں آئیں۔ تنہا نہ پائی جائیں۔ 'دکھ' دکھی سے الگ نہیں ہوتا، اور درد کو درد مند سے کاٹ کر جدا نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ اسم باعتبار ساخت

۱۴ــــــ اسم کی تیسری تقسیم جو لفظ کی ساخت اور اس کی بناوٹ کو سامنے رکھ کر

کی گئی ہے، زیادہ اہم ہے۔ یہ امر کسی سے مخفی نہیں کہ قواعد یا اس کے شعبۂ صَرف کا تعلق لفظ کی ساخت اور اس کی تعمیر سے ہے۔

وہ اسم 'جامد' (سادہ) ہے جس کا صرفی تجزیہ نہ کیا جا سکے۔ جیسے پیڑ، پتھر، دکھ، درد، جزا، سزا۔ ان کلموں کی اصلیت کا کھوج لگا کر ان کی تاریخ تو بتائی جا سکتی ہے لیکن انھیں دو یا دو سے زیادہ قواعدی ٹکڑوں یعنی کلموں میں بانٹا نہیں جا سکتا۔

وضاحت:

(ل) یہ صحیح ہے کہ اسم سادہ کسی دوسرے اسم سے مل کر یا ڈھل کر وجود میں نہیں آتا۔ لیکن یہ صحیح نہیں کہ اس سے کوئی دوسرا اسم ڈھالا نہیں جا سکتا۔ اسم سادہ سے نئے نئے کلمے ڈھلے اور نت نئے مرکبات بنے ہیں۔ جیسے: پتھر سے پتھری، پتھریلا، پتھرائی۔ دکھ سے دکھی، دکھیا، دکھیاری۔ درد سے دردی اور دردمند وغیرہ۔

۱۵ــــــ قواعدی تجزیہ کے بعد جو اسم دو (یا دو سے زیادہ) ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے جن میں ایک اصلی ہو باقی تعمیری، یا جس میں کوئی نئے معنی پیدا کرنے کے لیے اندرونی طور سے کوئی تصرف کر لیا گیا ہو وہ اسم ماخوذ (مشتق) ہے۔ جیسے: چلا (چل + ا)، چلتا (چل + تا) جلتا (جل + تا) اچلی (ا + چل + ی) چلنے والا (چل + نے + والا) پڑھاکو (پڑھ + ا + کو) پڑھویا (پڑھ + ویا) گویا (گا + ویا) کمتی (کم + تی) بڑھاپا (بوڑھا + اپا) چال (چل سے) میل (مل سے)۔

توضیحات:

(ل) "مشتق" اور "ماخوذ" کو عموماً اہلِ قواعد ہم معنی الفاظ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ میں ان میں فرق کرتا ہوں۔ "مشتق" میرے نزدیک وہ کلمہ ہے جسے کسی لفظی تصرف کے بعد وضع کیا گیا ہو۔ جیسے: 'چل' سے چال۔ 'جو' سے جس۔ 'مالی' سے مالن۔ 'مل' سے میل۔ "ماخوذ" اس کلمے کو کہیں گے جس کے شروع یا آخر میں کوئی حرف (سابقہ یا لاحقہ) شامل کیا جائے۔ جیسے: پڑھویا، چلتا، چلنے والا، بڑھاپا، بڑھتی، کمتی۔

(ب) "مصدر" اسم کی الگ (جامد اور مشتق کے مقابلے میں) کوئی قسم نہیں جیسا کہ بعض قواعد نویسوں نے لکھا ہے۔ وہ اسم مشتق ہے جو مادے پر 'نا' کا اضافہ کر کے بنایا گیا ہے۔

۱۶ ــــــ ایک درجے کے دو کلموں کی ترکیب سے وجود میں آنے والا یا تحلیل کے بعد ایسے دو کلموں میں بٹ جانے والا اسم، اسم مرکب ہے۔ جیسے: آنکھ مچولی، دیس نکالا، ریل گاڑی، بھلا چنگا، کھ پتی، پن چکی، مہاجن، لم ٹنگو، رتالو، اڑوس پڑوس۔

توضیحات:

(ل) مرکب اور ماخوذ میں فرق ہے۔ مرکب کے اجزا ایک حیثیت کے ہوتے ہیں۔ دونوں اسم ہوں گے یا ایک اسم ہوگا، ایک صفت۔ ماخوذ کے اجزا ایک حیثیت کے نہیں ہوتے۔ ایک جز اصلی یا بنیادی ہوتا ہے۔ بقیہ فروعی یا تعمیری جن کے عموماً اس کے سوا کوئی معنی نہیں ہوتے کہ وہ کسی بنیادی کلمے کے ساتھ مل کر ایک نئے بامعنی کلمے کی تعمیر کریں۔

(ب) مرکب کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) دو اسموں سے ترکیب پانے والا: ریل گاڑی، آنکھ مچولی، پن چکی، کھ پتی، اڑوس پڑوس۔

(۲) ایک اسم اور ایک صفت سے ترکیب پانے والا: مہاجن، رتالو، تل چٹا۔

(۳) دو صفات سے ترکیب پانے والا: بھلا چنگا، بارہ سنگا، دونالی، کلوا، لم ٹنگو۔

(ج) عام طور سے مرکب کی امتزاجی ارتباطی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ اور ارتباطی سے اضافی (مضاف، مضاف الیہ) اور توصیفی (موصوف، صفت) قسم کی عام قواعدی ترکیبیں مراد لی جاتی ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ امتزاجی (JUXTAPOSITIONAL) کو مرکب (COMPOUND) اور ارتباطی کو ترکیب (PHRASE) کے نام سے یاد کیا جائے۔

اسم کے تغیرات اور احوال اس وقت زیر بحث آ سکتے ہیں جب مشتق اور مرکب اسما کی تمام قسمیں بیان ہو جائیں۔ اسم کی تشریح، تقسیم، تجزیہ اور تفصیل کے بعد ہی اس کے احوال و اقسام بیان کیے جا سکتے ہیں:

کلمہ
- اسم
- صفت
- فعل
- متعلق فعل
- حرف

اسم
- (۱) باعتبار افراد
  - خاص
  - عام
    - جنس
    - جمع
- (۲) باعتبار معنی
  - ذات
  - صفت
  - معنی
- (۳) باعتبار ساخت
  - سادہ
  - ماخوذ
  - مرکب
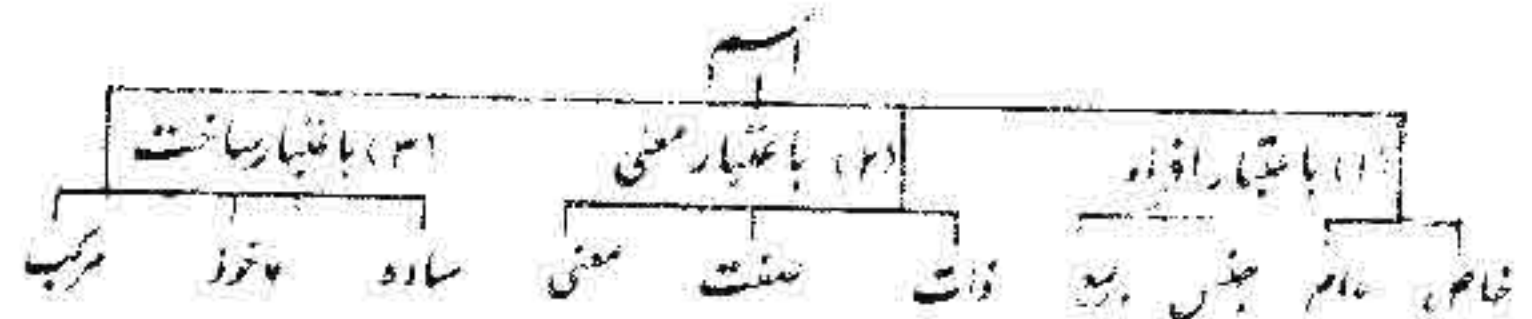
اسم ماخوذ

۱۷ ــــــ اسم ماخوذ کی نو قسمیں ہیں: مصدر، حاصل مصدر، اسم فاعل، حالیہ، استقبالیہ، مصغر، اکبر، ظرف، آلہ، تمام اور ناتمام۔ حالیہ کی دو قسمیں ہیں ان کو شامل کرنے سے اسم ماخوذ کی پوری دس قسمیں ہوں گی۔

توضیحات:

(ل) خاص خاص معانی کے پیش نظر اسم ماخوذ کی یہ نو قسمیں کی گئی ہیں۔ ماخذ کے لحاظ سے اسم ماخوذ کو دو بڑی قسموں میں رکھا جا سکتا ہے:

(۱) فعل سے ماخوذ

(۲) اسم (صفت) سے ماخوذ

مصدر، حالیہ، استقبالیہ فعل سے ماخوذ ہیں۔ مصغر، مکبر، اسم ظرف اسم سے۔ حاصل مصدر، اسم فاعل اور آلہ، اسم اور فعل دونوں سے۔

(ب) فعل سے ماخوذ اسما کا ذکر عام قواعد نویسوں نے فعل کی بحث میں کیا ہے۔ لیکن یہ اسم ہیں اس لیے ان کا ذکر اسم کے ذیل میں ہونا چاہیے، اور ان پر اسم کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ ان کی تذکیر و تانیث ہوتی ہے، جمع بنائی جاتی ہے۔ انھیں گردانا جاتا ہے۔ اس لیے ان کا ذکر اسم ہی کے تحت کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ اسم کی قسمیں نہ ہوتیں، تو ان کے ناموں سے پہلے اسم کا لفظ اضافہ کر کے اسم مصدر، اسم حالیہ، اسم فاعل نہ کہتے۔

(ج) عرب قواعد نویسوں نے اسم مشتق کی ان قسموں کو جو فعل سے ماخوذ ہیں۔ شبہ فعل کے نام سے یاد کیا ہے۔

۱۔ مصدر

۱۸ ــــــ فعل سے ماخوذ اسم کی اولین قسم مصدر ہے۔ یہ حدوث یا صدور فعل پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا فاعل نہیں ہوتا اور نہ اس میں کوئی زمانہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے اسے اسم شمار کرتے ہیں۔ اسم کی طرح

اس کی تغیر ہی نہیں ہوتی (بلکہ) جمع بھی بنائی جاتی ہے اور اہل دہلی کے نزدیک جب مونث سے متعلق ہوتا ہے تو اس کی صورت مونث ہو جاتی ہے :

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

۱۹ ـــــ مادہ فعل (یا اسم)[1] کے آخر میں 'نا' (ے انا ـ یا نا) اضافہ کرنے سے مصدر وجود میں آتا ہے ـ کر سے کرنا ـ پڑھ سے پڑھنا ـ لکھ سے لکھنا ـ برق سے برقانا ـ کھٹ کھٹ سے کھٹکھٹانا ـ لاتی سے لتیانا ـ لاٹھی سے لٹھیانا ـ[2]

توضیحات :

(ا) چونا ـ بھتنا ـ دیوانا وغیرہ اسما کے آخر میں بھی 'نا' (ے انا) ہے لیکن یہ فعل کا صدور یا حدوث نہیں بتاتے اور نہ ان کے امر کا لاحقہ مادہ فعل پر اضافہ ہوا ہے اس لیے یہ مصدر نہ ہوں گے ـ

(ب) 'نا' اصلی مصدر کی علامت ہے ے انا یا نا وصفی مصدر کی ـ جیسے : برقانا ـ لٹھیانا ـ

(ج) 'نا' کی شکل 'ناں' (غنہ سے) قدیم اردو میں مستعمل تھی ـ پڑناں ـ جلناں :

خواندن پڑناں بشنوتوں سن دشوار اہیلا (خسرو شاہ)

یہی میں پوچھتا ہوں تجھ سے جاناں کہ سوتوں کو ہے کیا حاصل جگاناں (میرسوز)

لاحقہ 'نا' قدیم اردو کے 'ے ن' (ہند آریائی ANA ـ) ہے جس میں 'ے ا' اضافہ کر دیا گیا ہے 'ے ن' قدیم دکن میں لاحقہ مصدر کے طور پر مستعمل تھا :[3]

جو چھند بند کے یوں بولن لگی رہ کی گرہ دل نے کھولن لگی (نصرتی)

بولن لگی یعنی بولنے لگی ـ

اردو میں آج یہ لاحقہ حاصل مصدر ہے ـ

(د) اصلی اور وصفی مصدر کی دو قسمیں ہیں جو پراکرتی (یا عربی فارسی) مادہ فعل سے بنیں

---

(۱) اسم کو فعل کے وزن میں ملا کر لاحقہ مصدر اضافہ کرتے ہیں ـ

(۲) ڈاکٹر صاحب نے اپنے مسودے میں پہلے 'لاتی' [illegible] کے اضافے کیے تھے پھر انھیں قلم زد کر دیا ـ ـــــ میرے نزدیک پہلی صورت ٹھیک تھی ـ بجائے لات کی جگہ بھی 'لت' چاہیے ـ 'لاتی' انفرادی حیثیت سے اسم کی کوئی قسم نہیں ہے ـ البتہ ایک مرکب میں یہ بطور جزو دوم پایا جاتا ہے 'گھمگا لاتی' اس کا استعمال بھی شاذ ہے ـ (ق)

(۳) یہ شمالی ہند میں بھی پایا جاتا ہے ـ برج اور سندھی میں اب تک مروج ہے :

اٹھن بیٹھن کی طاقت ناں رہی رے (افضل جھنجھانوی) (ق)

وہ اصلی ہیں ـ جیسے : پڑھنا ـ چننا ـ فاسنا (عربی فہم سے) ـ اندیشنا (فارسی اندیشہ سے) ـ آزمانا (فارسی آزما سے)

گیا اندیشنے لا گل کوں بات (پھول بن)

اصلی مصادر فعل پر 'نا' بڑھانے سے (لازم ہوں) اور 'ے انا' بڑھانے سے (متعدی ہوں) بنتے ہیں ـ

وصفی جنھیں جعلی بھی کہتے ہیں اسم یا صفت سے ڈھالے گئے ہیں ـ جیسے اندکرکموں کے آخر میں 'انا' (لاحقہ فعل متعدی) بڑھا کر : برقانا (برق سے) ـ گرمانا (گرم سے) ـ کھٹ کھٹانا (کھٹ کھٹ سے) ـ بڑبڑانا (بڑبڑ سے) ـ فلمانا (فلم سے) ـ شرمانا (شرم سے) ـ فرمانا (فرمودن سے)

معلول الآخر کلموں کے آخر میں 'یانا' (لاحقہ متعدی المتعدی 'انا' کی شکل) بڑھا کر : لتیانا (لاتی سے) ـ چھتیانا (چھاتی سے) ـ لٹھیانا (لاٹھی سے) ـ چنچیانا (چندھیا سے) ـ ٹھنڈیانا (ٹھنڈا سے) ـ گڑھیانا (گاڑھا سے)[1]

بعض لازم (نیز متعدی) مادوں کے آخر میں جو 'ا' پہلے سے تھے 'و' کے بعد 'نا' اضافہ ہوا ہے ـ اس قسم کے مصادر قدیم اردو میں عام تھے ـ آونا ـ جاونا ـ بلاونا ـ دکھاونا ـ کھاونا ـ چمکاونا ـ لگاونا ـ بچھاونا ـ

[illegible] آونا سے تیری برابری [illegible]

۲ ـ حاصل مصدر

۲۰ ـــــ اسم ماخوذ کی دوسری قسم حاصل مصدر ہے ـ یہ مصدر سے ماحصل اور اس کے معنی یعنی عمل پر دلالت کرتا ہے ـ جیسے : چین ـ چال ـ دکھاوا ـ [illegible] ـ ملاپ ـ [illegible]

---

(۱) اس پر کچھ اظہار خیال رہ گئے ہیں [illegible] 'یانا' اضافہ کیا گیا ہے [illegible] ترکیبی اجزا کے ترتیبی [illegible] یانا ـ [illegible] یانا ـ [illegible] یانا ـ [illegible] یانا [illegible] ہوں گے ـ اس میں معلول الآخر کی شرط واجبی ہے [illegible] لازم و متعدی دونوں میں مشترک ہے ـ [illegible] 'یانا' اس وقت استعمال ہوتا ہے جب لفظ کا حرف آخر [illegible] اس سے پہلے کوئی حرف علت نہ ہو یا علت کو گرا دیا گیا ہو ـ یہ قاعدہ اسم سے متعلق ہے ـ بعض میں [illegible] 'یانا' دونوں استعمال ہوتے ہیں ـ جیسے : برقانا ـ برقیانا ـ (ق)

توضیحات :

(الف) حاصل مصدر فعل سے بھی بنتا ہے اور اسم (صفت) سے بھی۔ جو فعل سے بنتا ہے اُسے اسم مصدر اور جو اسم (صفت) سے بنتا ہے اُسے حاصل مصدر رکھتے ہیں۔ لیکن آسانی اس میں ہے کہ دونوں کو ان کے مشہور تر اور واضح نام حاصل مصدر سے یاد کیا جائے۔ جیسا کہ بعض اہلِ علم[1] نے کیا بھی ہے۔

(ب) حاصل مصدر فعل سے مصدر معنی (عمل، حالت، کیفیت) سمجھ میں آتے ہیں۔ حاصل مصدر اسمی صفات بناتا ہے۔ تھکن، تھکنے کا حاصل یا حالت ہے، اور سیلن سیلنے کا۔ ڈکیتی، برائی، بڑپن، بڑھاپا، بھل منساہت سب صفات ہیں۔

۲۱ —— حاصل مصدر فعلی بنانے کے اردو میں بہت سے طریقے ہیں:

(۱) سادہ فعلی مادے عموماً اردو میں حاصل مصدر کے طور پر استعمال ہوتے ہیں: لوٹ، مار، پرکھ، سوچ، پہچان، ڈر، پکار، پکڑ، پھوٹ، تڑپ، ہار، جیت، بکھیر۔

وہ مادے بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جن کے مصوتوں کا اشباع ہو یا ان کا ایک مصوتہ ایک دوسرے مصوتے سے بدل دیا گیا: (تُل سے) تول (اُتر سے) اتار (چل سے) چال (مل سے) میل (جل سے) جول وغیرہ[2]۔

(۲) مادۂ فعل کے آخر میں لاحقہ 'ن' کے اضافے: مرن، چلن، ملن، دُکھن، رہن، سہن، کہن، سُتن، تھکن، لگن، جلن، سیلن، پھسلن۔

(۳) بعض مادوں میں 'ن' کی جگہ اس کی کشیدہ شکل 'ان' اضافہ ہوئی ہے: گزران، اُٹھان، اُڑان، لگان، ڈھلان، تھکان، گھٹان، بڑھان، ملان۔ 'ـَن' (ـَان) جیسا کہ عرض کیا گیا سنسکرت لاحقہ 'ـَن' سے اخذ کیا گیا ہے۔

(۴) مادۂ فعل کے آخر میں 'ـَا': بڑھاکر، جھگڑا، چھاپا، پھیرا، اُتارا، اُبھارا، کوندا، دھڑکا، پھڑکا۔ اغلب یہ ہے کہ یہ 'ـَا' وہی ہے جو سنسکرت میں 'ا' تھا۔

(۵) متعدی مادوں میں 'و' کے اضافے سے جو مادہ فعل کے 'ا' سے مل کر 'او'

---

(۱) عبدالرحیم فرخ

(۲) ان میں خفیف مصوتہ (حرکت مطلقہ یا علت اعرابی) اپنے طویل مصوتے (حرکت اشباعی یا علت حرفی) میں بدل گیا ہے۔ یا قصیر مصوتہ نے طویل مصوتے کا روپ دھارا ہے۔ 'تُل' کا ضمہ واوِ مجہول میں بدل گیا اور 'تول' بن گیا ہے۔ (ق)

ہو گیا ہے[1]: اٹکاو (اٹکانا) بچاو (بچانا) چڑھاو (چڑھانا) چھڑکاو (چھڑکانا) دباو (دبانا) کساو (کسانا) بناو (بنانا) لگاو (لگانا) جماو (جمانا) گھماو (گھمانا)

لاکھوں لگاو ایک چرانا نگاہ کا لاکھوں بناو ایک بگڑنا عتاب میں (غالب)

(۶) بُھلاوا، دکھاوا، چڑھاوا، بُلاوا، اُلجھاوا، بہلاوا، پہناوا وغیرہ کلموں کا 'اوا' لاحقہ 'ـَاو' کی کشیدہ شکل ہے۔

'ـَاو' (اور اس کی شکل 'اوا') سنسکرت لاحقہ تعدیہ 'ـَاپ + ـُ + ک' کی بدلی ہوئی شکل ہے۔

(۷) مادۂ فعل کے آخر میں 'ـَت' کے اضافے سے: جڑت، چاہت، بچت، لاگت، رنگت (رنگنا سے)[2]، چلت، پھرت، کھپت، دکھت، گمت[3]۔

حضرت کے گھر ایک دن گمت تھا (من لگن)

کچھ معلوم نہیں ..... ایک گت رہیں یا جدا جدا ہو جائیں (باغ و بہار)

'تا' اور 'تی' اس کی کشیدہ شکلیں ہیں[4]:

چبھتی[4]، بھرتی، بڑھتی، گنتی، نیتی، بولتی، گھٹتی، چُکتا۔

'ـَنت' کو بھی 'ـَت' ہی کی ایک شکل اور کسی قدر قدیم شکل سمجھنا چاہیے[5]: لڑنت، گھڑنت، پڑھنت، بھرنت، کڑکنت، اکڑنت، بڑھنت۔ سودا نے ایک قصیدے میں یہ تمام خوب صورتی سے کھپائے ہیں:

تیرے آگے جو وہ کرے اکڑنت

آگے سائل کے تو کرے نیرس اشرفی اور روپے کی یوں بھرنت

---

(۱) صہبائی نے لکھا ہے کبھی علامت مصدر کو گرا کر 'و' زیادہ کرتے ہیں مثلاً: لگانا سے لگاو، دبانا سے دباو، بنانا سے بناو وغیرہ۔

(۲) 'رنگنا' خود مصدر وضعی ہے جو 'رنگ' سے بنا لیا گیا ہے۔ 'رنگت' کو مادۂ فعلی کے ذیل میں لانا مناسب نہیں۔ (ق)

(۳) 'گمت' مستقل لفظ ہے۔ 'گم' تنہا لفظ نہیں اور 'گمنا' مصدر ہے البتہ 'جمنا' کی مبدلہ شکل خیال کر لی جائے تو کچھ بات بن سکتی ہے۔ لیکن اس شکل کا وجود و استعمال نہیں ملتا۔ (ق)

(۴) یہ شکلیں اسما میں بھی ہیں۔

(۵) حاتم نے 'گھٹنت' اور وجہی نے 'چلنت' استعمال کیا ہے:

روح میں تو کچھ نہیں گھٹنت (حاتم)

کوئی یو چلنت چلتا ہے (وجہی)

جلوہ نظروں میں اس طرح سے وہ دے | جوں فلک پر ہو تاروں کی چمکنت
مال یوں رو سپیہ عدو کا ہو | جاہ و دولت کی تیرے دیکھ بڑھنت
مہر کے جوں محل میں آنے سے | شب کو آفاق میں لگے ہے گھٹنت
پشمہ کر جاوے دیو و دو سے لڑنت | سامری بھول جاوے اپنی پڑھنت

بعض اہلِ علم نے ان لاحقوں کو سنسکرت لاحقہ حالیہ ناتمام "نت" (ANTA-) سے اخذ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں "نت" پراکرت "نتی" اور سنسکرت "تو" سے ماخوذ ہے۔ "ی" کے اضافے سے "تی" وضع ہوا۔ "ن" اضافہ ہوا تو اس سے ثانوی لاحقہ "نت" وجود میں آیا۔

(۸) بعض غریب متعدی مادوں پر (جن کے آخر میں "او" ہے) "ٹ" اضافہ ہوتی ہے۔ اور مادے کے آخری "و" کو "و" سے بدل دیا گیا ہے (کبھی یہ "و" گرا دی گئی ہے):

چمکاہٹ (چمکاو)، بناوٹ (بناو)، رکاوٹ (رکاو)، سجاوٹ (سجاو)، لگاوٹ (لگاو)، آہٹ (آو)[1]

"ٹ" سنسکرت ورت (VRATT-) کی تصحیف ہے۔ "اوٹ" کی اصل قدیم ہند آریائی "اپ + ورت" سمجھیے۔

توضیحات :

(۱) دو رکنی مادوں میں (جن کے آخر میں "ا" ہے متعدی مادوں پر قیاس کر کے "وٹ" (ہٹ) کا اضافہ عام ہے: گھبراہٹ، جھلاہٹ، بڑبڑاہٹ، بوکھلاہٹ، مسکراہٹ، تلملاہٹ (تلملاٹ)، سرسراہٹ (سرسراٹ)۔

"اچاٹ ہرگز نہیں جاتا" "تلملاٹ ہرگز نہیں جاتا" (سب رس)

"بادشاہ ان کو بسراٹ خوب نہیں" (سب رس)

کلکلاہٹ (سیف چیپی)

"ہماری جدائی کا بوکھلاٹ اس پہ پڑو" (سب رس)

دو رکنی صوت حکائی (ONOMAPOETIC) مادے اس ذیل میں آتے ہیں۔ ان کا لاحقہ "ہٹ" صوتی تاثر کو پیش کرتا ہے۔

بھن بھناہٹ، کھٹ کھٹاہٹ، بلبلاہٹ، سرسراہٹ، بج بجاہٹ، جھرجھراہٹ، دھڑدھڑاہٹ، کچ کچاہٹ[2]

(۱) حاصل مصدر کے یہ دونوں روپ ہیں تو لیکن ان میں معنوی فرق ہے۔ (ق)

(۲) یہ دو رکنی نہیں بلکہ یک رکنی ہیں جو مکرر ہوتی ہے۔ حکائی صوت کبھی دو رکنی نہیں ہوتی۔ تکرار سے تسلسل کی کیفیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ لاحقہ بھی "اہٹ" ہے "ہٹ" نہیں۔ (ق)

یہ مادے کسی ایک آواز کی تکرار سے بنے ہیں۔

(ب)[1] یک رکنی حکائی مادوں میں "اٹا" اضافہ ہوا ہے جو "ہٹ" کی دراز شکل ہے: سناٹا، زناٹا، بھراٹا، فراٹا، بھناٹا۔[2]

(۹) متعدی (متعدی المتعدی) مادوں میں "ائی" نے عموماً جنس کی اجرت یا معاوضے کا اظہار کیا ہے: پسائی (پسوائی)، دھلائی (دھلوائی)، اترائی (اتروائی)، چرائی (چروائی)، پڑھائی (پڑھوائی)، گھڑائی (گھڑوائی)، چڑھائی، کمائی، لکھائی، ہنکائی۔

قدیم ہند آریائی "اپ + کا" "ائی" کی اصل ہے۔

(۱۰) "ار" (ایر) اور "س" بھی ندرت کے ساتھ بعض مادوں میں اضافہ ہوتے ہیں: آر (آیر)، جار (جایر)، جھکار (جگنا سے)۔

"یہ سب آنے جانے والے اس رنگ اور ڈھنگ کے لوگ تھے۔ جار اسی "جار" میں بچ گئے۔"
(راشد الخیری)

"ایسی جھکار میں کون مجرم کی جرأت کر سکتا تھا۔" (محمد شفیع)

لٹس (لوٹ سے)، پٹس (پیٹ سے)، گھمس (گھم: گرمی)

(۱) حکائی مادوں کی بحث میں چند لاحقے رہ گئے ہیں۔

(ج) بعض حکائی مادوں میں "کار" اضافہ ہوا ہے۔ جیسے: جھنکار (جھن + کار)، چھنکار (چھن + کار)، سسکار (سس + کار)، ٹھنکار (ٹھن + کار)، تحتکار (تحت + کار)، ہنکار (ہن + کار)، دھتکار (دھت + کار)، ٹنکار (ٹن + کار)، چھنکار (چھن + کار)، ٹنکار (ٹن + کار)، کھڑکار (کھڑ + کار)۔

(د) بعض مادوں کے ساتھ "کار" کی جگہ "کاری" بھی لگتا ہے: پھٹکاری، دھتکاری، ٹنکاری، کلکاری، سسکاری وغیرہ۔

(ہ) بعض کے ساتھ "اکا" آتا ہے: پٹاکا، دھماکا، تڑاکا، چھپاکا، کھڑاکا، پٹاکا وغیرہ۔

(و) بعض کے ساتھ صرف "کا" لگتا ہے: جھٹکا، کھٹکا، پھڑکا، جھرکا، ٹھسکا، چھٹکا۔

(ز) بعض کے ساتھ "کی" یا "ی" بھی لگتا ہے: چٹکی، ہچکی، چسکی، جھڑکی، سسکی، پچکی۔

(ح) کبھی یہ "کی" "کا" بن جاتا ہے: پھانکا، پھنکی۔

(ط) ان میں سے بعض حکائی حاصل مصدر ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں: کھٹکا، پٹاخا، کھٹکا، چھکی، چھینکا بحیثیت اسم مجرد، آلہ وغیرہ۔ (ق)

(۲) ان میں دراصل "اٹا" لاحقہ استعمال ہوا ہے صرف "ٹا" نہیں۔ اور یہ "ہٹ" کی دراز شکل نہیں بلکہ الگ حیثیت رکھتا ہے۔ گھراٹا، خراٹا، جھناٹا، سراٹا، بڑاٹا، براٹا میں بھی یہی لاحقہ ہے۔ (ق)

سینے کو یہ کچھ دیکھ زن و مرد نے کوٹا   نُتّس کو ہجوم آ کے تماشائی کا ٹوٹا (سودا)

میرے رونے سے ماتم دل میں   سخت نُتّس پڑی ہے محفل میں (داغ)

'ے ار' سنسکرت 'ار' سے اور 'س' سنسکرت 'س' سے لیا گیا ہے۔

۲۲ —— اسم (صفت) سے حاصل مصدر بنانے کے عام طریقے یہ ہیں:

(۱) صحیح الآخر اسما (صفات) کے آخر میں 'ی' (یائے معروف) کثرت سے اضافہ ہوئی ہے:

چوری، ٹھگی، سستی، ڈکیتی، تھڑدلی، کم ہمتی، بھبیتی، پھکیتی، بھل فسی۔

(۲) الف پر ختم ہونے والے اسما (و صفات) پر 'ی' کی جگہ لاحقہ 'ئی' بڑھایا گیا ہے: بڑائی، بُرائی، گولائی، چھوٹائی، مٹھائی، سگائی (سگا + ئی):

میرے سوں بھلائی کرے دشمن سوں سگائی (وجہی)

لڑکائی (لڑکا + ئی):

کر لڑکائی تھی مجھ اوپر مسلّم (بحری)

'ی' اور 'ئی' قدیم ہند آریائی لاحقہ تصغیر 'کا' (یا، ری، ئی) سے ماخوذ ہیں۔ لیکن ان پر فارسی 'ای' کا اثر بھی ہے۔

(۳) 'ا' پر ختم ہونے والے اسم صفت پر 'ن' بڑھاتے ہیں: اونچان، نیچان، چوڑان، لمبان۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ 'ن' سنسکرت 'ن' سے لیا گیا ہے۔

(۴) اسم ذات (صفت) پر 'ات' (یت) کے اضافے سے: بہتات (بہت + ات)، بھل منسات (بھلا مانس + ات)، اپنات، اپنائیت (اپنا + ات، یت)، منات (من + ات):

"آپس کے من میانے منگوں منات" (قلی قطب شاہ)

'تا' اور 'تی' اس کی کشیدہ شکلیں ہیں: ماما (مام + تا)، کمتی (کم + تی)، بھاوتا، بھاوتی۔

'ات' اور اس کی ان کشیدہ شکلوں کو میں سنسکرت لاحقہ 'تو' ہی سے ماخوذ سمجھتا ہوں۔

(۵) اسم (یا صفت) کے آخر میں 'پا'، 'پن' (پنا) بڑھا کر جیسے: بچپن (بچہ + پن)، بڑپن (بڑا + پن)، چھٹ پن (چھوٹا + پن)

"جو بڑے بوڑھے ہوں تو ان کے الفاظ سے بڑپن ٹپکتا ہو" (حالی)

بہناپا، بڑھاپا (بوڑھا + پا)، چھٹاپا (چھوٹا + پا)، مٹاپا (موٹا + پا)، لڑکپن (لڑکا + پن)،

---

[۱] دونوں طویل مصوتے ہلکے ہو گئے ہیں۔

دیوانہ پن، گنوارپن، بالک پن:

بالک پن بھی ترونا پھر (جانم)

نیراپن، بیگانہ پن، سچاپن، نورپنا، ابدارپنا، جداپن:

بھید جداپن ایک ہے نور (جانم)

وہاں دستا تیرا پن نگا ناپن (جانم)

سچاپن سو نبی پر ہے مسلّم (پھول بن)

خدا کا دیدار یا اللہ کوں نہیں دیکھا سو (معراج العاشقین)

نورپنے ہیں یہ ہیں توٹ (جانم)

'پن' پراکرت 'پن' سنسکرت 'تو ن' سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ ہارنلے نے لکھا ہے یا پراکرت 'اپن' اور سنسکرت 'آتمن' (ĀTMAN) سے۔

(۶) الف پر ختم ہونے والے اسم (صفت) کے آگے ہٹ (وت، وٹ) بڑھا کر: چکناہٹ، پیلاہٹ، نیلاہٹ، کڑواہٹ، اوداہٹ، بھربھراہٹ، تراوٹ یا تراوت۔

زبس ہوا کو تراوت نے واں کیا ہے نثار

شرار سنگ ہیں ہے رشک دانہ ہائے انار (سودا)

'ہٹ' کی 'د' اکثر گر جاتی ہے 'چکناہٹ' کو عموماً 'چکناٹ' کہتے ہیں۔

'وٹ' اور 'ہٹ' کا تعلق سنسکرت 'ورت' یا 'وارت' سے ہے جو پراکرت میں پہنچ کر 'وت' یا 'وٹ' ہوا۔ 'الف' اصل کلمے کا ہے۔

(۷) بعض اسما (صفات) کے آخر میں 'اس' اضافہ ہوا ہے: مٹھاس (میٹھا + اس) کھٹاس (کھٹا + اس)، پھیکاس (پھیکا + اس)، بھڑاس، موتاس، ہگاس، بکواس (بکوا + اس)، پیاس (پی + اس)

'اس' کی اصل ہے سنسکرت 'اپ + اس'۔ الف اصل کلمے کا ہے اس لیے 'س' کی اصل 'س' قرار دی جا سکتی ہے۔

(۸) اسم ذات (نیز صوت و معنی) پر 'ک' بڑھا دیا گیا ہے: ٹھنڈک، بیٹھک، چٹک (چٹ + ک)، اٹک، سڑک (سڑ + ک)، ٹنک (ٹن + ک)، پھٹک (پھوٹ + ک)، کھٹک، بھبک، دھنک، دھڑک، سنک، تپک (تپ + ک)، کھٹک (کھٹ + ک)۔

سڑک (سڑ، چلنا + ک)، پھاٹک (پھاٹ + ک) جیسے کلمے بھی اسی ذیل میں آتے ہیں لیکن یہ اردو میں بطور اسم ذات مستعمل ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ اٹک ۔ جھانک ۔ چمک وغیرہ (ک پر ختم ہونے والے) کے سادہ مادّے
نہیں جنھیں "کنا" جھلکنا ۔ چمکنا سے "نا" گرا کر بنا لیا گیا ہو ۔ یہ اٹ ، جھل ، چم + لاحقہ "ک" کی
ترکیب و اجتماع کا نتیجہ ہیں ۔ "نا" بڑھا کر بعد میں ان سے افعال ڈھال لیے گئے ۔ یہ ایک طرح کے
اسمی افعال (DENOMINATIVE) ہیں ۔

لاحقہ "ک" سنسکرت حالیہ تمام "کرت" (کیا ہوا) سے تراشا گیا ہے ۔ چمکرت ، چمکت
ہوا ، پھر چمک ۔

تڑاخ (تڑاک) ، پڑاخ (پڑاک) ، کڑاک (کڑاکا) ، سڑاک وغیرہ کلموں کا "اک" (اکا) لاحقہ
"ک" کے کھینچنے سے پیدا ہوا ہے ۔

"۔۔۔ ایسی تڑاخ سے دیتے تھے کہ معترض دیکھتے رہ جاتے تھے ۔" (فرحت اللہ)

"ملک اخضر نے دو ذکر ایک سونٹا کڑاک سے مارا ۔" (طلسم ہوشربا)

"کوڑا اٹھا کر سڑاک سڑاک دو ہی ہاتھ مارے تھے کہ انا بلبلا گئی ۔"

(۹) بعض اسما میں "پت" اضافہ ہوا ہے ۔ جیسے : کنوارپت ، سیان پت ۔
یہ سنسکرت "پت" (مالک) نہیں تو "اپ" اور "ت" کا ملاپ سمجھیے ۔

(۱۰) عربی اسمائے ذات و صفات پر عموماً "یت" اور جو "ی" پر ختم ہوتے ہیں ان کے آخر میں
محض "ت" بڑھائی گئی ہے : قابلیت ، کیفیت ، خصوصیت ، لذتیت ، صاحبیت ۔

اس سلسلے میں یہ اصول یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اردو میں "لفظ کا دباؤ" یا زور عموماً کلمے کے
آخری حرف پر ہوتا ہے اس لیے دو رکنی کلمے پر لاحقہ اضافہ کرتے وقت کلمے کے کشیدہ یعنی طویل مصوّتے
قصیر یا مختصر ہو جاتے ہیں ۔ جیسے : بڑھاپا (بوڑھا سے بڑھ)[1] لڑکپن (لڑکا سے لڑک) ، مٹھاس
(میٹھا سے مٹھ) ، بچپنا (بچہ سے بچ) ، بڑپن (بڑا سے بڑ) ۔

۴۳ ـــــ بعض کلمے ایسے بھی ہیں جن پر دو مختلف لاحقے اضافہ ہوتے ہیں ۔ جیسے : بڑائی ، بڑپن ،
چھوٹائی ، چھوٹاپن ، کھلنسی ، کھلنسات ، مٹھاس ، میٹھاپن ۔
خاص خاص صورتوں میں ان میں فرق کیا گیا ہے ۔ مثلاً بڑاپن "آدمی کی بڑائی" بڑائی
ہے اور مرتبہ یا درجے کی برتری بڑپن ۔ ظاہری یا مادّی شے کی چھوٹائی ہے ۔ ذہن یا قدر کی کمتری
چھوٹاپن ۔ مٹھاس شیرینی کو کہتے ہیں ۔ میٹھاپن اس کی ایک ذوقی کیفیت ہے ۔

---

[1] "بڑھا" کا الف گر جانے کی وجہ سے "پن" کی "پ" کو مشدّد کر دیا گیا ہے ۔ گویا "پ" بدل ہے الف کی
["پ" مشدّد کے ساتھ تلفظ شاذ ہے ۔ (ق)]

۴۴ ـــــ عربی میں مصدر اور حاصل مصدر میں فرق نہیں ۔ مصدر ہی حاصل مصدر ہوتا ہے ۔ مجرد
اور مزید اس کی دو قسمیں ہیں ۔ ذیل کے مصادر جن کے اوزان درج کیے جاتے ہیں اردو میں بطور
حاصل مصدر مستعمل ہیں :

(۱) مجرد اوزان :

	وزن	مثالیں
I	فَعْلٌ	قَتل ، ضَرب ، حَرب ، صَبر
	فِعْلٌ	عِلم ، حِلم ، حِفظ ، عِشق
	فُعْلٌ	حُکم ، عُذر ، شُکر ، قُدس
	فَعَلٌ	طَلَب ، عَمَل ، نَظَر ، بَصَر
II	فَعْلَةٌ	رَحمت ، کَثرت ، فَرحت ، غَیرت
	فِعْلَةٌ	قِلّت ، عِزّت ، رِحلت ، بِدعت
	فُعْلَةٌ	قُدرت ، نُدرت ، سُرعت ، نُزہت
III	فَعَال	سَلام ، صَلاح ، فَساد ، بَقا(؟)
	فِعَال	خِطاب ، حِجاب ، قِیام ، اِبا(؟)
	فُعَال	سُوال ، بُخار ، زُکام ، دُعا(؟)
IV	فَعَلان	مَیلان ، ہَیجان ، سَیلان
	فِعْلان	حِرمان ، عِرفان ، ہِذیان
	فُعْلان	غُفران ، کُفران ، رُجحان
V	فَعُول	قَبول
	فُعُول	حُصول ، صُدور ، نُزول ، دُخول
VI	فَعَالَةٌ	سَعادت ، فَصاحت ، شَرافت ، بَلاغت
	فِعَالَةٌ	کِتابت ، عِبادت ، خِطابت
	فُعُولَةٌ	صُعوبت ، سُہولت ، نُبوت
VII	مَفْعَل	مَرجع ، مَطلب ، مَقصد ، مَنشا
	مَفْعَلَةٌ	مَرحمت ، مَسکنت
	مَفْعُلَةٌ	مَملکت

ان کے علاوہ فَعلیٰ ، فِعلیٰ ، فُعلیٰ بھی مستعمل ہیں ، لیکن قلت کے ساتھ ۔ جیسے : دعویٰ ، ذکریٰ ،
بشریٰ ۔ اردو میں عموماً طبقۂ پنجم میں طبقۂ سوم کے پہلے دو وزنوں میں فرق نہیں کیا جاتا ۔ ساتویں

طبقے کے مصادر کو عربی میں 'م' کی وجہ سے 'مصدر میمی' کہتے ہیں۔

(ب) مزید اوزان:

I	تفعیل	تفریح، تقسیم، تعلیم، تذکیر، تانیث (تعیین، تحلیل)
	تفعلہ	تذکرہ، تفرقہ، تقویت، تعزیت
II	مفاعلہ	مقابلہ، مجادلہ، مناظرہ، مشاعرہ
	فعال	جدال، قتال
III	افعال	اخراج، انعام، احسان، الزام، ارشاد
	افتعال	اجتماع، اقتدار، انتظار، انتقال
	انفعال	انکسار، انفعال، انہدام، انقسام
	استفعال	استعداد، استغفار، استکبار، استکشاف
IV	تفاعل	تناسب، تقارب، تکاثر، تدارک
	تفعّل	تخیل، تکبر، تصور، تدبر، تعین

عربی مصادر کے آخر کا ہمزہ اردو میں اس وقت بولا اور لکھا جاتا ہے جب یہ مصادر ترکیب میں واقع ہوں جیسے: ارتقائے حیات، دعائے خیر۔

عربی کی 'ۃ' (تائے مدوّرہ) اردو میں 'ت' لکھی جاتی ہے اور وقف کی صورت میں 'ہ' (ہائے مختفی) ہوجاتی ہے۔

ذیل کے چند کلمے "فَعَالِیہ" کے وزن پر ہیں:

رفاہیت، صلاحیت، علانیہ۔

ان میں اور "یت" لگا کر بنائے ہوئے کلموں میں جن کی "ی" مشدد ہے فرق کرنا چاہیے۔

۲۵ ـــــ اردو میں فارسی حاصل مصدر بڑی کثرت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں فارسی لاحقوں کی مدد سے نئے نئے الفاظ بھی وضع کیے گئے ہیں۔ اردو حاصل مصدر کی طرح ان کی بھی دو قسمیں ہیں:

(ل) جو مادۂ فعل یا مصدر سے ڈھلے اور حالت یا عمل بتاتے ہیں ان کی درج ذیل تین صورتیں ہیں جو اردو میں رائج ہیں:

(۱) مصدر کے آخر سے علامت "دن" یا "تن" گرا دی گئی[1]: خرید، فروخت، درخواست۔

[1] علامت مصدر "دن" یا "تن" نہیں گرتی بلکہ صرف "ن" گرا دیا جاتا ہے۔ فارسی مصدر کے آخر میں "ن" سے ماقبل "د" اور "ت" بہرطور جزو مادہ ہی ہے۔ فارسی میں یہ صوتی تبادل کا تغیر یا مادوں کے دوہرے روپ کی بدولت وجود میں آتے ہیں۔ جیسے شکستن، نگاردن، گشتن، گردیدن چنانچہ "شکست" اور "گردش" دونوں حاصل مصدر ہیں اور دونوں کا مادہ ایک ہی ہے۔ (ق)

بازیافت، دریافت، شکست، آمد۔

(۲) امر پر 'ش' بڑھا دیا گیا: شورش، سوزش، نازش، پرورش، آزمائش، گردش، دانش، بینش۔

(۳) ماضی کے آخر میں 'تار'[1] اور امر کے آخر میں 'اک' اضافہ کر دیا گیا: کردار، رفتار، گفتار، دیدار، خوراک، سوزاک، پیچاک، پوشاک۔

(ب) جو اسم (صفت) پر درج ذیل لاحقے بڑھا کر بنائے گئے اور صفات کا اظہار کرتے ہیں ان کی بھی تین ہی صورتیں اردو میں عام ہیں:

(۱) 'ی' یا 'گی' ہر اسم یا صفت پر اضافہ کی جاتی ہے: نیکی، بدی، دوستی، دشمنی، نادانی، خدمت گاری، بے نیازی۔

(۲) 'ائی' جو الف پر ختم ہونے والے اسم (صفت) پر بڑھائی جاتی ہے: دانائی، برنائی، آگاہی، صفائی، زیبائی، بینائی، بے گناہی، کجرائی۔

(۳) 'گی' عموماً 'ہ' پر ختم ہونے والے الفاظ پر بڑھائی گئی ہے: زندگی، بندگی، دیوانگی، تازگی، روانگی، ادائیگی، گرفتگی۔

'ی' اور 'ائی' پراکرتی لاحقے بھی ہیں اس لیے ان کا چلن اردو میں زیادہ ہے اور کبھی کبھی یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ پراکرت سے لیے گئے ہیں یا فارسی سے[2]

۳۔ اسم فاعل

۲۶ ـــــ اسم ماخوذ (مشتق) کی تیسری قسم 'اسم فاعل' ہے۔ یہ کام کرنے والے یا کسی حالت،

[1] یہاں "تار" نہیں بلکہ "ار" بڑھایا گیا ہے۔ (ق)

[2] (ل) فارسی کے مرکب حاصل مصدر کا ذکر بھی ضروری تھا۔ ماضی + امر، جیسے: گفتگو، جستجو۔ اسی طرح: نمود و نمائش، آمد و رفت، دوادو، دوا دو، روا روی، کردار و گفتار، دوا دوش وغیرہ اسی ذیل میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔

(ب) "ی" سے تراکیب (اسم فاعل وغیرہ) کے آخر میں بڑھا کر بھی حاصل مصدر بنایا جاتا ہے: عہد شکنی، تیز روی، [illegible] گرانباری، جہانبانی، حکمرانی وغیرہ۔

(ج) "ی" یا "ئی" اسم (صفت، خصوصاً [illegible]) پر بھی اضافہ کر کے حاصل مصدر بنا لیا جاتا ہے: "روا" سے "روائی"، "تاباں" سے "تابانی"، "رواں" سے "روانی"، [illegible] ترکیب "اسپ دوانی" وغیرہ۔ (ق)

صفت یا کیفیت رکھنے والے شخص (یا چیز) پر دلالت کرنے کے لیے کلمے پر لاحقہ لگاکر بنایا جاتا ہے 'چرانے والا' اسم فاعل ہے اور 'چور' اسم صفت۔

٢٧ ——— اوّل اوّل مصدر پر (' نا ' گرا کر یا اس کے الف کو 'ے' سے بدلنے کے بعد) ' ہار ' ، ہارا ، ہاری ، ہارے ، ہاریاں ، اضافہ کر کے اسم فاعل بنایا گیا : سرجن ہار (سرجنا : پیدا کرنا) ، بوجھن ہار ، دیون ہار ، رہن ہار ، سمجھن ہار ، دینے ہارا ، کرنے ہارا ، پڑنے ہارا[1]

خالق باری سرجن ہار (خسرو شاہ)

خوبی ، بدی سب کے بوجھن ہار سو تو ں

انصاف ہر ایکس کا دیون ہار سو تو ں (قلی قطب شاہ)

یہ عارت ماٹی پتھر کی عارت کچ رہن ہاری نہیں (وجہی)

تجھ کوں سمجھن ہارا سو یو عارف الوجود (جانم)

چو تھا تن عارف الوجود اسے جبریل دینے ہارا (خواجہ بندہ نواز)

پھر یا تو اسے منع کرنے ہارا کون ہے (وجہی)

جو ٹتے ہیں چمن کے پھول سارے

خزاں کے ہاتھ میں ہیں پٹنے ہارے (ابن نشاطی)

وضاحت :

ہار (ہارا)[2] سنسکرت 'دھار' (دھر : رکھنا) سے ڈھلا ہے اور 'والا' سنسکرت پالک : محافظ سے۔

قدیم اُردو میں 'ہار' بھی بطور لاحقۂ فاعل استعمال ہوا ہے۔ اہل علم اسے 'وال' کی پیداوار اور ایک بدلی ہوئی شکل بتاتے ہیں۔ (وال : ہال : ہار)

جن تم کیتا کرن ہار (جانم)

٢٨ ——— آخر آخر مصدر پر الف کو 'ے' سے بدل کر 'والا' (والی ، والے ، والیاں) کا اضافہ

---

[1] آج بھی زبان میں یہ بعض الفاظ میں پایا جاتا ہے : ہونہار [ہون (ہونا) ہار] ، کھیون ہار ، مرن ہارا ، کھیون ہارا ۔ بالخصوص گیتوں ، دوہوں وغیرہ میں اکثر ایسے الفاظ برتے جاتے ہیں جن میں یہ لاحقہ موجود ہے۔ (ق)

[2] ڈاکٹر صاحب کے مسودے میں "... ہار (جانم)" تک کا حصہ نمبر ٢٨ میں شامل تھا۔ یہ بحث چونکہ ٢٧ سے متعلق ہے اس لیے نمبر ٢٧ کے تحت اسے درج کیا گیا ہے۔ (ق)

ہوا جو آج بھی اردو میں عام ہے :

تمے غیب کے جاننے والے ہیں (نوسرہار)

٢٩ ——— حالیہ ناتمام بھی اسم فاعل کی جگہ اور اس کے معنوں میں بولا جاتا رہا ہے۔

خدا قادر ، خدا حاضر ، خدا ناظر ، خدا سکتا۔ (ق۔ن)

سنتا دیکھتا بولن ہار

٣٠ ——— اسم فاعل کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اوّل میں وہ تمام صیغے شامل ہیں جو مادۂ فعل سے ڈھلے اور درج ذیل لاحقوں کی مدد سے بنے ہیں :

(١) ـا (سنسکرت ـک) : جُوتا ، تولا ، جھلّا ، اچکّا (اُچک + ا)۔

یہ زیادہ تر اسم اور مرکب کے آخری جز پر اضافہ ہوا ہے ، جیسے : بھوکا ، پیاسا ، ہنگاسا ، اٹھنگا ، اٹھوانسا ، بھڑبھونجا ، بڑھ بولا۔

(٢) ـاک (ـاکو) : تیراک ، لڑاک ، لڑاکو ، پڑھاکو ، اڑاکو۔

(٣) 'ـو' (مذکر) ـُو (مونث) ـاؤ ؛ کھاؤ ، بگاڑو ، جھاڑو (جھاڑنے والا) چمکّو (چمکّو) بکّو (بکّو) بکاؤ ، جماؤ ، اڑاؤ۔

"ـاک" سنسکرت "آپک" یا پراکرت "اکت" سے لیا گیا ہے اور "ـو" سنسکرت "ـک" سے۔ "ـاکو" میں یہ دونوں لاحقین جمع ہو گئے ہیں۔

(٤) "وا" (سنسکرت ـک) ؛ دیوا (دے + وا) ، لیوا (لے + وا)

یہ لاحقہ اسم پر بھی اضافہ ہوا ہے اور لاحقہ تصغیر بھی ہے۔ کچھوا (کچھ + وا) ، بھڑوا (بھاڑ + وا) ، تلوا (تل + وا)

(٥) وال (والا) : رکھوال (رکھ + وال) رکھوالا۔ دوال (دے + وال) :

علی پور آں دایم تیرے رکھوال (قلی قطب شاہ)

(٦) وایا (والا کی ایک شکل) : چروایا (چر + وایا)۔

(٧) ویّا (وا + ـای) : پڑھویّا ، گویّا ، بٹویّا[1]

٣١ ——— قسم دوم ان اسما پر مشتمل ہے جن کے آخر میں ذیل کے لاحقے اضافہ ہوتے ہیں :

(١) ـال ـالا (وال یا والا کی تخفیف) بجالا (بج + ـالا) جیالا (جی + الا)

---

[1] یہ مرکب لاحقہ نہیں ہے اس کی دو شکلیں ہیں : (١) 'یّا' (جلیّا ، پھریّا ، لکھیّا ، پڑھیّا وغیرہ) (٢) 'ویّا' (گویّا ، پڑھویّا ، کھویّا وغیرہ) ان میں 'و' علتی اور تعدیے کا ہے ، اصل نہیں۔ اس لیے لاحقہ صرف 'یّا' ، 'ـیّا' ہی بنتا ہے۔ (ق)

گھیا (گھی + ئ ال) غُصالا (غصہ + ئ الا)

غصالا بھوت ہے اول تے اودشاہ (پھول بن)

'یل' کو اس کی ایک شکل سمجھنا چاہیے۔ مرَیل، کڑیل، گھایل۔[1]

جس نے بھگتے ہوں ترکی و تازی
ایسے مریل سے کیا بدے بازی (اسمٰعیل میرٹھی)

نہ احباب کی تیغ احساں سے گھایل[2] (حالی)

(۲) ہار، ہارا، ہاری (سنسکرت دھار)؛ پنہارا (پانی + ہارا) لکڑ ہارا (لکڑ + ہارا)

(۳) 'ار'، 'اڑ'، 'اڑی' ('ہار' کی تخفیف) کھلار، کھلاڑ، کھاڑ، کھلاڑی

میں اسلم کی بلی کو کرتا ہوں پیار
بہت صاف ستھری بڑی ہے کھلار (اسمٰعیل میرٹھی)

رنگ اس کا جا تو لا کے جو سر
کھیلی وہ کھلاڑ بازی بد کر (نسیم لکھنوی)

اس کی ایک شکل 'ے وڑ' (ے وڑا) بھی ہے۔ ہنسوڑ، پچھڑا، بھگوڑا

میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں

(۴) 'یا' (سنسکرت ـِکا)؛ دودھیا (دودھ + یا) دُکھیا (دُکھ + یا) دوالیا (دوالا + یا)

(۵) یارا، یاری (ـِیا + ئ ار)؛ گھسیارا (گھاس + یارا) بھٹیارا (بھٹی[3] + یارا)

(۶) ـِیل (یائے لین)؛ دُودھیل، دنتیل (دانت + یل) ڈیل؛

بیل ہے پہ نہیں کسی کا ڈیل
کرتا اوروں کی غمگساری ہے (اسمٰعیل میرٹھی)

(۷) 'ـِیل' ـِیلا (یائے مجہول و معروف) غُصیل، غصیلا، چھبیلا، رنگیلا، گٹھیلا، رسیلا، نکیلا (ناک + ـِیل)[4]

---

[1] 'ل' ایک آریائی لاحقہ ہے جو مختلف اعرابی علتوں کے ساتھ مختلف معنی کے لیے تمام آریائی زبانوں میں مروج ہے۔ 'یل' کے سلسلے میں 'یلا' کا ذکر بھی ضروری تھا۔ جیسے ... کھٹیلا، جڑیلا وغیرہ (ق)

[2] صحیح گھایل (ی سے) ہے۔ حالی نے گھائل (ہمزہ سے) باندھا ہے۔

[3] یہ 'بھٹی' سے بنا ہے، 'بھٹی' سے نہیں۔ 'بھٹ' بمعنی 'بھٹی' ... ہے۔ (ق)

[4] 'ـِیلا' ... (ناک + ـِیل) موجود ہے ...

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا
لے گئی دل کو بانکی ترچھی ادا (میر سوز)

یہ لاحقے پراکرت "الَ" کی مختلف شکلیں ہیں۔

(۸) "ـیرا" (ـِیلا کی ایک شکل)؛ لٹیرا (لوٹ + ـیرا) کمیرا (کام + ـیرا) سنپیرا (سانپ + ـیرا) کسیرا (کانسا + ـیرا) گھنیرا (گھن + ـیرا)

(۹) 'ہرا'، 'ہری'، 'ہلا'، 'ہلی' (سنسکرت دھار)؛ سُنہرا، سنہری (سونا + ہرا، ہری)، روپہلا، روپہلی (روپا + ہلا، ہلی)۔

(۱۰) 'ـ کڑ' (پراکرت ـ کٹ)؛ بھلکڑ (بھول + ـ کڑ) بجھکڑ (بوجھ + ـ کڑ) کُدکڑ (کُود + ـ کڑ) پیکڑ (پی + ـ کڑ)، چدکڑ (چود + ـ کڑ)

یہ لاحقہ فعل اور اسم میں مشترک ہے۔

(۱۱) "ـ الو" (ـ ال + ـ و)؛ جھگڑالو (جھگڑا + ـ الو) رسالو (رس + ـ الو) لجالو (لجا + ـ الو) ندرالو (ندرا + ـ الو)[1]

(۱۲) "ـ یت" (پراکرت ـ ائت)؛ لٹھیت (لٹھ + ـ یت) ڈھلیت (ڈھال + ـ یت) کڑکیت (کڑکا + ـ یت) پھکیت (پھانک + ـ یت)[2]

۳۲ —— فارسی اسم فاعل کے صیغے بھی، جو اُردو کی طرح لاحقوں کی مدد سے بنتے ہیں، اردو میں عام ہیں:

(۱) ور (آور)؛ بہرہ ور، طاقت ور، جانور، سخن ور، شناور، زور آور۔[3]

(۲) کار؛ دستکار، فن کار، صنعت کار، پُرکار۔

(۳) گر (گار)؛ زرگر، کاری گر، کامگار، خدمت گار، گناہگار۔[4]

(۴) گیں؛ غمگیں، شرمگیں، خشمگیں۔

(۵) ناک؛ دردناک، شرمناک، غمناک، ہولناک، غضب ناک۔

---

[1] مثالوں کے تجزیے میں تسامح واقع ہوا ہے۔ ... جھگڑ ... اور لاحقہ 'ـ الو' ان کے ساتھ لگا ہے۔ (ق)

[2] مثالوں کے تجزیے میں یہاں بھی تسامح ہوا ہے۔ ... ڈھل، کڑک، پھنک، ... اور ان کے ساتھ 'ـ یت' لاحقہ لگا ہے۔ (ق)

[3] 'ور' اور 'آور' میں خاصا فرق ہے ... لفظ 'زوآور' بھی عوام میں مروج ہے۔

[4] 'گر' اور 'گار' میں فرق کرنا چاہیے تھا۔ (ق)

(۶) مند : دولت مند، سُودمند، بہرہ مند، ہوش مند، عقل مند۔
(۷) چی : (ترکی لاحقہ) خزانچی، باورچی، مَشعَل چی[1]
(۸) ا : دانا، بینا، توانا، گویا، پزیرا، جویا۔

امرِ حاضر کے آخر میں "ندہ" بڑھا کر بنایا جانے والا اسم فاعل قیاسی بھی اردو میں مستعمل ہے :

پرندہ، درندہ، آیندہ، روندہ، جوئندہ، یابندہ۔

۴۳ ـــــــ عربی اسم فاعل اور اس کے مختلف صیغے کم سے کم معیاری ادبی اردو میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں :

(۱) بیشتر فاعل کے وزن پر : جاہل، قاتل، عالم، تاجر، ماہر، صابر، شاکر، وافر، خاص، عام (عربی میں 'ص' اور 'م' مشدد) قائم، قائل۔

صفتِ مشبہ کے ان صیغوں کو بھی اس ذیل میں رکھیے جو اردو میں اسم فاعل کی جگہ صفت کے طور پر بولے جاتے ہیں :

(ا) 'فعیل' کے وزن پر : فصیح، بلیغ، علیم، ظہیر، کفیل، بصیر، شکیل۔
(ب) 'فعّال' کے وزن پر : حلّاج، بزّاز، قنّاد، دلّاک، فصّاد، خلّاق، فرّاش، عطّار، غسّال، قصّاب، سقّا (ء)۔

(۲) کمتر ذیل کے اوزان پر جن کے شروع میں 'م' مضموم اور ماقبل آخر حرف مکسور ہے :

مُفعِل : مکرم، مقبل، منصف، مشیر، مطیع[2]
مُفتعِل : مشتعل، محتسب، مجتنب، مجتہد۔
مُنفعِل : منصرم، منکشف، منکسر، مندمل۔
مُستفعِل : مستعد (مستعدد)، مستقیم[3]
مفاعل : مقابل، مجاہد، مراقب، موافق، مخالف۔
متفاعل : متقابل، متحارب، متشاکل۔
متفعّل : متصرف، متبدل، متوجہ۔

---

[1] اردو میں اس کا ایک تلفظ "مشال چی" "مشچی" بھی ہے۔ یہ لفظ مَشعَل میم کے زبر سے ہے، میم کے زیر کے ساتھ 'مِشعَل' بالکل غلط ہے۔ (ق)

[2] مکرم، مشیر، مطیع کو اس ذیل میں لانا مناسب نہیں۔ مومن، محسن، مرشد، مشرک، مشفق وغیرہ اسی وزن پر ہیں۔ (ق)

[3] ان سے زیادہ مستعمل یہ الفاظ اسی وزن پر ہیں : مستقبل، مستنذر، مستنظر، مستشرق وغیرہ۔ (ق)

مُفتَعِل : مترجم

۴۔ اسم حالیہ

۴۴ ـــــــ اسم حالیہ وہ اسم (صفت) ہے جو فعل کے معنی بتانے کے ساتھ اس کے اختتام پذیر ہونے یا جاری رہنے پر بھی دلالت کرے : چلتا، دوڑتا، نکلتا، کھلا، پڑھا، بھولا، بھٹکا۔

(ا) 'حالیہ' انگریزی PARTICIPLE سنسکرت 'کرونت' کے ہم معنی جدید اصطلاح ہے جسے غالباً سب سے پہلے بابائے اردو مولوی عبدالحق نے استعمال کیا۔ 'تمام' اور 'ناتمام' حالیہ کی دو قسمیں ہیں۔ 'حالیہ تمام' فعل کا اختتام بتاتا ہے اور 'حالیہ ناتمام' اس کا عدمِ اتمام یا اجرا۔ کھلا کے معنی ہیں کھل چکا اور چلتا کے معنی ہیں جو چل رہا ہے اور جس کے چلنے کا عمل جاری ہے

(ب) حالیہ میں بیک وقت تین کلموں یعنی اسم، فعل، صفت کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ صفت والی ذات پر دلالت کرنے کے علاوہ وہ لغت کی طرح دوسرے اسم کی تخصیص بھی کرتا ہے، جیسے : چلتا پرزہ، دوڑتا گھوڑا، بھولا بھٹکا مسافر، پڑھا لکھا آدمی، اور ساتھ ہی معنی فعل کا اتمام یا عدمِ اختتام بھی بتاتا ہے۔

۴۵ ـــــــ مادہ فعل کے آخر میں "تا" (تی، تے) بڑھانے سے حالیہ ناتمام اور 'ا' (ی، ے) بڑھانے سے حالیہ تمام وجود میں آتا ہے۔ کھلتا (کھل + تا)، کھلتی، کھلتے حالیہ ناتمام ہے۔ کھلا (کھل + ا) کھلی، کھلے حالیہ تمام۔

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے
یار کا دروازہ پائیں گر کھلا (غالب)

(ا) مادے کے آخر میں 'ا' یا 'و' ہو تو حالیہ تمام بنانے کے لیے "یا" بڑھایا جائے گا : 'کھا' سے 'کھایا'، 'لا' سے 'لایا'، 'کھو' سے 'کھویا'، 'سو' سے 'سویا'۔

جمع (یا تغیر) کی صورت میں 'ی' ہمزہ سے بدل جائے گی : کھائے، کھوئے، لائے، سوئے، بوئے، روئے۔

"مرنا" کا حالیہ تمام 'مرا' یا 'موا' (مُئیا[1]) 'کرنا' کا 'کرا' (غیر فصیح) یا کیا (کیتا) 'دینا' کا 'دیا' (دیتا)، 'جانا' کا 'گیا' خلافِ قاعدہ نہیں، مختلف الفاظ اور مختلف

---

[1] اس کا تلفظ و املا 'مویا' بھی ہے۔ مذکورہ حالیہ تمام مصادر کے دوسرے روپ سے وجود میں آتے ہیں : موا، میا، مویا (مونا : مرنا سے)، کیا، کیتا (کینا، کیناں (قدیم) سے)، دیتا 'دینا' ہی سے بنا ہے اور گیا، جانا سے تبادل اصوات کی بدولت ہے، اصل میں 'جایا' سندھی کی وجہ سے 'گیا' بن گیا ہے۔ (ق)

طریقوں سے بنتے ہیں[1]

مبارک نانوسوں تیرے ٹیا کو پھیر جلایا ہے (علی نامہ)

(ب) حالیہ کی دونوں قسموں پر "ہوا" (ہونا کا حالیہ تمام) بڑھا کر نکلتا ہوا، کھلا ہوا، نکلا ہوا کہتے ہیں۔ اس صورت میں حالیہ ناتمام سے کبھی اس کے اپنے معنی مراد لیے جاتے ہیں۔

اچھلتا ہوا اور مچلتا ہوا

کبھی اسے حالیہ تمام کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ دمکتا[2] ہوا چہرہ کے معنی ہیں دمکا ہوا یعنی روشن چہرہ۔

اردو قواعد نویس عموماً حالیہ تمام کو شاید اس وجہ سے کہ اس کی نسبت مفعول کی طرف کی جاتی ہے (کھلا دروازہ = کھولا گیا[3] دروازہ) اسم مفعول کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس امر کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ فعل لازم کا مفعول نہیں ہوتا۔ کھلا، نکلا، چلا حالیہ تمام تو ہو سکتے ہیں اسم مفعول نہیں ہو سکتے۔

(ج) حالیہ ناتمام کا "تا" سنسکرت "ورتمان کالک کردنت" (PRESENT PARTICIPLE) کے لاحقہ "ئے نت" (-ANTA) سے (ن کی تخفیف اور "ت" کی تمدید کے بعد) اور حالیہ تمام "بھوت کالک کردنت" (PAST PARTICIPLE) "کرت"، "پٹھت" سے "ات" کو "ا" سے اور

---

[1] "کرا" کرے سے، "کیا، کینا" کرتے سے، "گیا" گئے سے یا "دیتا" دتہ سے۔ "مُوا"، "مُئیا" مرتے سے اخذ کیے گئے ہیں۔

[2] "دمکتا ہوا" حالیہ ناتمام ہی ہے، چہرہ کی صفت کے طور پر آنے کی وجہ سے حالیہ تمام کا تسامح ہوا ہے۔ (ق)

[3] "کھولا گیا" نہیں بلکہ "کھلا ہوا" جو "کھلنا" سے بنا ہے۔ اس قسم کے مصادر کو طور مجہول کے ذیل میں خیال کرنا چاہیے کیونکہ ان کا فاعل بمنزلہ مفعول ہوتا ہے۔ "دروازہ کھلا" میں "دروازہ" فاعل ہے لیکن فی الحقیقت کھلنے کا فعل خود اس پر صادر ہو رہا ہے وہ فعل بجا نہیں لا رہا۔ اس کا فاعل مجہول یا معدوم ہے۔ دراصل ان میں حالت یا کیفیت کا اظہار ہوتا ہے عمل کا نہیں۔ اس لیے ایسے مصادر اور ان کے مشتقات میں فاعل و مفعول کی بحث نہیں ہو سکتی۔ ان کو طور مجہول صرف فاعل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے ورنہ ان کو "معمولی مصادر" کہنا زیادہ مناسب ہے۔ "دروازہ کھلا" میں دروازہ "معمول" ہے، مفعول نہیں۔ اس پر کھلنے کا عمل ہوا ہے۔ عمل اور فعل میں فرق ہے۔ عمل داخلی اور خارجی دونوں پہلو رکھتا ہے اور فعل صرف خارج سے متعلق ہے۔ اسی مثال میں "دروازہ" خود بھی کھل سکتا ہے یہ داخلی پہلو ہوگا۔ اسے کوئی کھول بھی سکتا ہے یہ خارجی پہلو ہے۔ "میں آیا" میں "آیا" فعل ہے جسے میں نے انجام دیا۔ ابھی اردو قواعد کے کثیر مباحث دعوت فکر دے رہے ہیں۔ (ق)

ماقبل زیر کو "ی" سے بدلنے کے بعد) ڈھالا گیا ہے۔ پٹھیت = پٹھیا = پڑھیا = پڑھا۔ اس کے مختلف حلقے ہیں۔ "ا" سے پہلے کی "ی" ماضی کے صیغوں میں آخری دور تک موجود تھی:

رہیا تھا آج لگ نا پھانک کیر کہیں
پڑیا تھا چھانو جو تجھ پانو تل میں (ابن نشاطی)

ترا گفتم ہیں تجھ کہیا کیا بماندی توں کت رہیا (خسرو شاد)

ماضی اور حالیہ میں فرق کرنے کے لیے غالباً "ی" کو حذف کر دیا گیا۔

(د) وہ سبق پڑھتے پڑھتے[1] { سو گیا
" " " { سو جاتا ہے
" " " { سو جائے گا

ان جملوں میں حالیہ بطور فعل استعمال ہوا ہے، سبق اس کا مفعول ہے۔ زمانے سے بھی کوئی تعلق بھی ہے لیکن حالیہ (پڑھتے) سے کوئی زمانہ مفہوم نہیں ہوتا۔ ایک نامعلوم اور مبہم سی زمانی معیت سمجھ میں آتی ہے اور بس۔ اس لیے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ حالیہ میں زمانہ پایا جاتا ہے یا حالیہ اپنی ذات سے زمانے پر دلالت کرتا ہے۔

مصدر اور حالیہ کے استعمالات اور ان کے رشتے اور تعلقات نحو کے ضمن میں آتے ہیں جہاں ان پر تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

۳۷ ـــــــ حالیہ تمام کی جگہ اردو میں عربی اسم مفعول کے جو اوزان استعمال ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

مفعول : مجبور، مسرور، معشوق، مخصوص، معلوم، منظور
مفعل : مصحف، مکرم، مدرک
مفتعل : معتمد، مستند، مشترک، محترم، منتقی، منتہی
مفعّل : مصوّر، مرقّع، ملخّص، مقدّم، موخّر، مکرّم
متفاعل : متعارف، متاخر
مستفعل : مستزاد، مستثنیٰ

---

[1] "پڑھتے پڑھتے" میں تکرار نے استمراریت پیدا کی ہے اور استمراریت نے فعل کا تصور دلایا ورنہ فی الحقیقت یہ حالیہ استمرار ہے۔ سبق موصوف یا معمول بنے گا مفعول نہیں۔ جملے کا فاعل "وہ" اور فعل "سو گیا" ہے۔ "وہ" سبق پڑھنے کی حالت استمرار میں تھا۔ اس لیے "سبق پڑھتے پڑھتے" حالت استمرار ہے۔ اس میں فعل اور مفعول کا اصطلاحی تصور درست نہیں۔ (ق)

۳۷ ــــــ فارسی اسم مفعول اور اسم حالیہ کے درج ذیل صیغے بھی حالیہ (تمام و ناتمام) کے طور پر اردو میں برتے گئے ہیں:

(۱) رمیدہ، دمیدہ، رسیدہ، کشتہ، وزیدہ، خوابیدہ، فرمودہ۔ یہ ماضی مطلق پر 'ہ' بڑھانے سے بنے ہیں۔

(۲) خنداں، گریاں، سوزاں، رواں، دواں، بریاں۔ یہ امر حاضر پر 'اں' بڑھا کر بنائے گئے ہیں۔

۵۔ استقبالیہ

۳۸ ــــــ اسم ماخوذ کی یہ وہ قسم ہے جس کا اردو قواعد نویسوں نے ذکر نہیں کیا۔ اس کو (حالیہ کے مقابلے میں) استقبالیہ کے نام سے یاد کرنا چاہیے۔ فعل کا وجوب بتانے کے باعث اس کا تعلق کسی نہ کسی درجے میں استقبال یعنی آنے والے زمانے سے ہے[1]۔ یہ اپنی جگہ فعل کے انجام دیے جانے پر دلالت کرتا ہے۔ جو کیا جائے (یا کیا جانا چاہیے) وہ 'کرنی' اور جو وجود میں نہ آئے وہ "انہونی"۔

"استقبالیہ" ترجمہ ہے انگریزی "FUTURE PASSIVE PARTICIPLE" کا۔ یہ سنسکرت 'کردت' کی تیسری قسم ہے اور سنسکرت کے علاوہ فارسی میں بھی ہے۔ شدنی، رفتنی، سوختنی کی 'ی' کو فارسی قواعد نویسوں نے یائے لیاقت قرار دیا ہے اور ان کے معنی ہونے کے قابل یا جانے اور جلنے کے لائق لکھے ہیں۔

۳۹ ــــــ مادہ فعل (لازم و متعدی) پر 'نی' بڑھانے سے استقبالیہ وجود میں آتا ہے۔ کر سے کرنی۔ ہو سے ہونی، بھر سے بھرنی، کہہ سے کہنی، سُن سے سُننی، سُنا سے سنانی، اُڑا سے اُڑانی۔

خدا کی کرنی تو باقی ہے (حاتم)
خاک دھول جو باد اوڑانی (خسرو شاہ)

"باد اوڑانی" ایسی دھول جسے ہوا اڑا سکے۔[2]

"نی" کی "ی" کو علامت تانیث سمجھ کر اس کے مقابل کرنا، ہونا، اڑانا، مذکر صیغے بعد میں ڈھال لیے گئے۔

---

[1] 'مجھے کل جانا تھا' میں 'جانا' سے گزشتہ زمانہ نہیں سمجھا جاتا۔ معیت زمانی مفہوم ہوتی ہے اور بس۔

[2] محمود شیرانی، حفظ اللسان، ص ۱۷

(د) استقبالیہ کا لاحقہ 'نی' سنسکرت 'ئے نی ی' سے لیا گیا ہے جو سنسکرت قواعد نویسوں کے نزدیک 'ئے ن' اور 'یے ی ی' سے مرکب ثانوی لاحقہ ہے۔ اس لحاظ سے ہو سکتا ہے کہ اردو 'نی' کو 'ئے ن' اور 'ی' کی ترکیب کا نتیجہ قرار دے کر کہا جائے کہ 'کرنی' مثلاً 'کرن' پر 'ی' لگا کر بنایا گیا ہے۔

باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنی ہیں ایک کم سن کے لیے

'بھیجنی ہیں' کے معنی ہیں بھیجی جائیں گی۔

خواب ہیں وہ آنے کا کیوں نہ اب کرے وعدہ
یعنی کب جدائی میں مجھ کو نیند آنی ہے (ناسخ)

'آنی ہے' یعنی آئے گی۔

مجھ کو جانا ہے، مجھے سبق پڑھنا ہے، مجھے دیکھنا تھا تم کیا کرتے ہو۔ ان میں 'جانا' 'پڑھنا' 'دیکھنا' فعل کی ضرورت بتاتے اور اس کے وجوب و وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ استقبالیہ کے صیغے ہیں۔ بظاہر ان میں اور عام مصادر میں کوئی فرق نہیں اس لیے انھیں مصادر سمجھ لیا گیا ہے۔ "چھاونی" کے معنی ہیں جسے چھایا جائے۔ "کہانی" کے معنی ہیں جو کہا جائے۔ اصلاً یہ بھی استقبالیہ ہی کے صیغے ہیں۔

میرے ہاں آنا، زنہار یہ خیال نہ کرنا، آج تم گھر مت جانا۔ ان مثالوں میں کام، طلب یا خواہش اس لیے پیدا ہوئی کہ استقبالیہ کے صیغے فعل کے وجود میں آنے یا انجام دیے جانے کی ضرورت جتانے اور اس کے وقوع و وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

۶۔ تصغیر و تکبیر

۴۰ ــــــ جو اسم مسمّی کی چھوٹائی بتائے وہ مصغر اور جو بڑائی ظاہر کرے وہ مکبّر ہے۔

ٹوکری (مصغر) ٹوکرا (مکبر) لُٹیا (مصغر) لوٹا (مکبر)

(د) تصغیر بیشتر جثّے یا جسامت کی مقابلۃً چھوٹائی کے لیے ہوتی ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مسمّٰی کا ظاہری چھٹاپا بتاتی ہے۔ ٹوکری کو بہرحال ٹوکرے کے مقابلے میں جسامت کے اعتبار سے چھوٹا ہونا چاہیے۔ اسم مکبر سے بھی جثہ یا جسامت ہی کی بڑائی ظاہر کی جاتی ہے۔ بڑی پگڑی کو پگڑ اور بڑی لکڑی کو لکڑ کہتے ہیں۔ لیکن خاص خاص صورتوں میں تصغیر سے حقارت یا پیار کے اور مکبر سے بڑپن اور عظمت کے معنی مراد لیے جاتے ہیں۔

مردوا، جوروا، بھنیا، سیکھڑ میں تحقیر ہے۔

بھیا، بٹیا، ببوا، مکھڑا سے پیار کا اظہار ہوتا ہے۔
بتنگڑ کی تکبیر عظمت کے لیے ہے۔

(ب) چھوٹائی اور بڑائی کے مختلف درجوں کا اظہار خاص خاص صورتوں میں تصغیر کی مزید تصغیر اور تکبیر کی مزید تکبیر سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً: چوٹی سے چُٹیا، چٹلا پھر چٹا۔ بادل سے بدلی یا بدریا (ل کو ر سے بدل کر) پگ سے پگڑی، پگڑ۔ گانٹھ، گٹھری، گٹھر، ٹانگ، ٹنگڑی، ٹنگڑ۔ رَاسَن، رَسّی، رَسّا۔

اسم ـــــــ جن لاحقوں سے اردو میں تصغیر کا کام لیا گیا ہے ان میں ذیل کے لاحقے عمومی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں اسم کے آخر میں بڑھا کر قریب قریب ہر اسم (عام، مصغر، مکبر) کو مصغر بنا لیا جاتا ہے:

(۱) "ـی" یائے معروف: پہاڑ سے پہاڑی، چھتر سے چھتری، گودڑ سے گدڑی، بوڑ سے بوڑی (ڈونگی)۔

نا ناد نہ ٹوکرا نہ بوڑی (من لگن)

"ی" اپنی جگہ بھی لاحقہ تصغیر ہے (اس کے مقابل کوئی اسم مکبر نہیں)۔
موری، ندی، گلی، گھڑی، چھلّی، چارپائی[1]

الف تذکیر (یا تکبیر) کی جگہ لے کر تصغیر کے معنی دیتی ہے:
رسّی (رسّا)، ٹوکری (ٹوکرا)، جوتی (جوتا)، نالی (نالا)

(اسم مکبر کے) مشدد حرف کی تشدید کا بدل بھی ہے:
کمّل سے کملی، پگڑ سے پگڑی، گٹھڑ سے گٹھڑی، لکڑ سے لکڑی[2]

(۲) "یا" (ـیا): لُٹیا، بُڑھیا، شیشیا، مکنیا (مکان + یا) بھیّا (بھائی + یا) گھڑیا، بہنیا (بہن + یا) بجیا (باجی + یا)، بزریا (بازار + یا)، بگیا (باغ + یا) چٹیا (چوٹی + یا)، چوہیا (چوہا + یا) اپیا (آپا + یا) کنویاں (کنواں + یا) امبیا (امبی + یا)[3]

(۳) "وا" (ـوا): مردوا (مرد + وا)، جوروا (جورو + وا) بسترُوا، بھڑوا (بھاڑو + وا) بندھوا (بندھ + وا)، بٹوا (بیٹا + وا)، بَبوا (بابو + وا)، لکھنوا (لکھنو + وا)۔

---

[1] ان میں ی تصغیر کی نہیں نسبت کی ہے اور ان میں چھٹپن کا تصور بجز "چھلّی" اور کسی میں نہیں ہے۔ (ق)
[2] ان میں ی تصغیر کی ہے، تشدید کا بدل نہیں، تشدید تو ی کی وجہ سے تخفیف میں آ گئی ہے۔ (ق)
[3] چوہیا، اپیا، کنویاں، امبیا میں دوہرے لاحقے کارفرما ہیں۔ (ق)

(ل) "ـیا" کی اصل سنسکرت لاحقہ تانیث "ـکا" اور "ـوا" کی اصل سنسکرت "ـک" ہے۔ شاید اس لیے ان کی جنس میں اختلاف ہے۔ "یا" اردو میں تانیث کے لیے ہے اور "وا" عموماً تذکیر کے لیے۔ (جروا کو چھوڑ کر)

"یا" اور "وا" اسم پر اضافہ ہوں تو اس کی آخری طویل علت (ا، و، ی) گر جائے گی اور ماقبل طویل (یا مرکب) علت مختصر ہو جائے گی اور لوٹا کا لٹ، جورو کا جُر، شیشی کا شِش، ندی کا ند، باجی کا بج، چوٹی کا چُٹ، بازار کا بزر، بھائی کا بھ، بھاڑو کا بھڑ رہ جائے گا۔

(۴) "ـوٹا" (ـوٹی) ـوڑا (ـوڑی): بلوٹا، چڑوٹا، برنوٹا، لنگوٹا (لنگوٹی) سنگوٹی (سینگ + وٹی)، پنگوڑا (پنگ = پنگٹ + وڑا) کنگوٹی (کنگ + وٹی)

کبھی لیوے کنگوٹی کھول کے بال (پھول بن)

(۵) ـولا (ـولی) ـیلا: کھٹولا (کھٹولی) گڑھولا (گڑھ + ولا) سنپولا (سانپ + ولا) نندولا (نانند + ولا) نبولی (نیب + ولی) گدیلا (گدا + یلا) بھنڈیلا (بھانڈ + یلا)

(۶) "ٹا" (ٹی) ڑا (ڑی): ملاٹا، چوٹٹا، چوٹی (چوٹ + ٹی) بٹا (باٹ + ٹا) پدڑی، ٹکڑا، ٹکڑی (ٹوک + ڑی) گٹھڑی، پلنگڑی، انتڑی (آنت + ڑی) دمڑی، انکھڑی (آنکھ + ڑی) بچھڑا، کنڑا، مکھڑا، گدھڑا (گدھا + ڑا)

یا گدھڑے پہ قرآن لا دیتا (خوش نامہ)

سیجڑی (سیج + ڑی)

ز پھول سیجڑی منج ماتی اہے (قطب مشتری)

(۷) "لا" (لی): چٹلا (چوٹی + لا) کونڈالی (کونڈا + لی) بندلا (بوند + لا)

بھتوں کے بندلے پڑتے ہیں (سب رس)

پگلی (پگ + لی)

"پگلیاں اوپر راکھیا سیس" (جانم)

مچھلی (مچھ + لی)

(ل) "ـٹا"، "ـوٹا"، "ـولا" کو میں "ـاو" اور "ٹا" سے مرکب ثانوی لاحقے سمجھتا ہوں۔ "ٹا" جیسا کہ ڈاکٹر چیٹرجی نے لکھا ہے "دیہاتی ہند کی پیداوار اور قدیم

---

[1] اس کی اصل "پلنگ" نہیں بلکہ "پنگ" ہے۔ (ق)

بند آریائی " 'ورت' سے بنا ہے۔ 'ورت' سے 'ڈ' وجود میں آیا۔ 'ڈ' سے 'ڑ' نے جنم لیا[1] 'ڑ' سے 'ل' نے۔ یہ لاحقے ایک خاندان ہی کے نہیں، بھائی بھائی بھی ہیں۔

(۸) "نا" (نی): بُھتنا (بھوت + نا) ڈھولنا (ڈھول + نا) جھولنا (جھول + نا) تکیبنی (تکیہ + نی) چھٹکنا (چھٹکا + نا) مُٹکنا (مٹکا + نا)

(۹) ک، کا، کی، چہ، چی: ڈھولک، بٹلک (بط)، مردک، بُندکی (بوند + کی) چھٹکا (چھوٹا + کا)، مٹکا (موٹا + کا) چھٹکی، مٹکی، دیگچہ، بقچہ، دیگچی۔

(لا) ک، چہ فارسی لاحقے ہیں جن پر "ا" اور "ی" اردو انے کے لیے اضافہ ہوئے ہیں۔ اب یہ اردو لاحقے ہیں۔ ان پر خالص اردو لاحقے بھی اضافہ ہوئے ہیں۔ بقچیا، دیگچیا، ڈھولکی، بُندکیا۔

۴۲ ——— اسم مکبّر بنانے کے درج ذیل قاعدے اُردو میں عام ہیں:

(۱) لاحقۂ تصغیر (ی اور یا) کو:

(ا) 'ا' سے بدلتے ہیں: (رسّی سے) رسّا، (ٹوکری سے) ٹوکرا، (ہولی سے) ہولا، (تختی سے) تختا، (دمڑی سے) دمڑا، (بتی سے) بتّا، (ڈبیا سے) ڈبا، (دیگچی سے) دیگچا، (پکوڑی سے) پکوڑا، (جھلّی سے) جھلّا (بڑا ٹوکرا)۔

(ب) 'یا' کو گرا کر ماقبل کی حرکت کو کھینچ دیتے ہیں یا حرف کو مشدد کر دیتے ہیں۔ (بدلی سے) بادل، (کھلّی سے) کھلّ، (گٹھری سے) گٹھڑ، (پگڑی سے) پگڑ، (لکڑی سے) لکڑ، (ککڑی سے) ککڑ، (چُونی سے) چُنّا (اس میں 'ی' کو 'ا' سے بدلا گیا ہے)

(۲) اسم کے آخر میں:

(ا) 'ـال' بڑھاتے ہیں (جو شاید سنسکرت 'ـالے: جگہ) سے ماخوذ ہے۔ گھڑیال (گھڑی + ـال) گھنٹال (گھنٹا + ـال)

(ب) کڑ (ـکڑا) 'ـنگڑ' کا اضافہ کرتے ہیں (پراکرت 'ـکڑ' سے لیا گیا ہے) (گو سے) گودکڑا، (بات سے) بتنگڑ، (دھی سے) دھینگڑا۔

تصغیر و تکبیر میں تقابل ہے اس لیے جب کسی اسم کی تصغیر بھی عام ہو اور تکبیر بھی۔ تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ مصغر سے مکبّر نے جنم لیا یا مکبّر سے مصغر نے۔ یہ اور بات ہے کہ خاص خاص

---

[1] 'سیکھتڑ' میں یہ 'ـڑ' موجود ہے (سیکھتا + ڑ) اور 'ٹکڑ' میں بھی۔

صورتوں میں قرائن کے پیش نظر یا لفظ کی ارتقائی تاریخ دیکھ کر تقدیم و تاخیر کی بابت کوئی رائے دی جائے۔ مثلاً "تختہ" فارسی ہے، اسے تختی سے اقدم ہونا چاہیے، یا 'کھل' اصل سے قریب ہے اس لیے 'کھلی' سے مقدم ہوگا۔ "رسّی" سنسکرت "رشم" کی پیداوار ہے۔ اس کی 'ی' بکسر میم 'م' کی قائم مقام ہوگی۔

۷۔ اِسمِ آلہ

۴۳ ——— اسم آلہ اسم یا فعل سے اوزار پر دلالت کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے: نکیل، ہتھوڑا، تھنی، چھلنی، مسواک، مفتاح، استرہ۔

(ا) اسم آلہ کے لیے ضروری ہے کہ اسے آلۂ عمل پر دلالت کرنے کے لیے قاعدے کے مطابق بنایا جائے۔ چُھریا، چاقو، قینچی وغیرہ اسما ہر چند اوزار پر دلالت کرتے ہیں لیکن اشتقاقی قاعدوں کے مطابق انھیں اوزار پر دلالت کرنے کے لیے نہیں بنایا گیا اس لیے یہ اسم آلہ نہ ہوں گے۔ قینچی کے معنوں میں کترنی البتہ اسم آلہ ہے۔

مقراض کترنی کہ بود استرا چھرا (خسرو شاہ)

اسے قاعدے کے مطابق 'کتر' اور لاحقہ 'نی' کی ترکیب سے بنایا گیا ہے قلم اور سکّین (چھری) اسم آلہ نہیں۔ مقراض اور مفتاح اسم آلہ ہیں۔ یہ آلے کے لیے وضع ہوئے ہیں۔

۴۴ ——— اسم (یا مادۂ فعل) پر ذیل کے لاحقوں میں سے کوئی لاحقہ لگا کر اسم آلہ بناتے ہیں:

(۱) "ـن": بیلن، جھاڑن، ڈھکن، دانتن، منجن (منج + ـن)

(۲) "نی": پھنکنی (پھونک + نی)، چھلنی (چھان + نی)، دھونکنی، نہی (نکھ + نی)، نکھرنی، کترنی، کرنی، کنی (کر + نی)، دھرنی، دھنی (دھ + نی)، دُہاونی (دُہاو، دوہ + نی) چھینی[1] (چھی + نی)

چھینی سوں غم کی چھیدیاں ہیں جیو جیو لی کی خاطر (ہاشمی)

(۳) "نا": پھنکنا، پانا، بلونا (بلاؤ + نا)، کھلونا (کھلاو + نا) کسنا (کس + نا)۔

(۴) "ـو": جھاڑو، بہارو۔

(۵) "ـیل": نکیل (ناک + ـیل)، غلیل (غلہ + ـیل)، دھکیل (دھکا + ـیل)

(۶) "ـوڑا": ہتھوڑا (ہاتھ + ـوڑا)۔

(۷) "ہ": استرہ (استر + ہ) دستہ (دست + ہ)۔

---

[1] "چھے" چاہیے (ق)

(و) پہلے چھ لاحقے اردو کے ہیں جن میں سے "ےن" "نا" "نی" کا تعلق حاصل مصدر سے ہے اور "ےو" "ریل" "ےوڑا" کا اسم فاعل سے۔ ان کے ماخذ بتائے جا چکے ہیں۔ "ہ" فارسی لاحقۂ نسبت ہے۔ یہ قدیم فارسی اور پہلوی "ک" سے لیا گیا ہے۔ "اوڑھنی" اور "لٹکن" ساخت کے اعتبار سے اسم آلہ ہیں لیکن ان سے آلے کے معنی مراد نہیں لیے جاتے۔ "اوڑھنی" اوڑھا جانے والا کپڑا ہے اور "لٹکن" لٹکائی جانے والی چیز ہے۔ "پھلیل" (پھول + ریل) کو بھی اسی ذیل میں رکھیے جس کے معنی ہیں "پھولوں میں بسایا ہوا"۔

۴۵ ــــــ عربی اسم آلہ کے مفعل (مفعلہ) مفعال دو وزن ہیں اور دونوں اردو میں مستعمل ہیں، جیسے: مفتاح، مصباح، منبر، مسطر، میزان، مسواک، منوال، مقراض، مضراب، مقیاس، مشکوۃ۔

۸۔ اسمِ ظرف

۴۶ ــــــ اسمِ ظرف وہ اسم ہے جو لاحقۂ ظرفیت (زمان و مکان) کے اضافے سے بنایا جائے یا جو مفعل (مفعلہ) کے وزن پر ہو اور ظرفیت کے معنی بتائے: درس گاہ، گھڑسال، پن سال، مسجد، مدرسہ، آگے، پیچھے۔

(ا) اسمِ ظرف تنہا چیز یا کام کی جگہ یا کام کا وقت بتاتا ہے اور حسبِ قاعدہ ظرفی لاحقے کے اضافے سے یا مفعل کے وزن پر ڈھالا جاتا ہے۔ اس لیے دن، رات، آج، کل، صبح، شام، پورب، پچھم، اتر، دکھن، لاہور، کراچی جیسے کلمے اسمِ ظرف نہ ہوں گے۔ یہ جگہ یا وقت بتاتے ہیں، چیز یا کام کی جگہ اور وقت نہیں بتاتے اور ظرفی لاحقوں سے خالی بھی ہیں۔ وقت اور مقصد اگرچہ مفعلہ اور مفعل کے وزن پر ہیں لیکن جگہ نہیں بتاتے، یہ بھی اسمِ ظرف نہ ہوں گے۔

اردو ظروف اسما کے آخر میں لاحقے لگا کر بنائے گئے ہیں اس لیے عربی کے خلاف عموماً وہ اسم کی جگہ اور اس کا مقام بتاتے ہیں۔

(ب) اسمِ ظرف کی زمان و مکان دو قسمیں ہیں۔ ظرفِ مکان چیز یا کام کی جگہ اور مقام بتاتا ہے۔ درس گاہ: درس کی جگہ، پھلواری: پھولوں کی جگہ۔ ظرفِ زماں سے صدور یا حدوثِ فعل کا وقت سمجھا جاتا ہے۔ آگے، یعنی گزشتہ زمانے میں:

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پہ نہیں آتی (غالب)

۴۷ ــــــ ذیل کے لاحقے ظرفِ مکان کے لیے ہیں:

(۱) "وار" (واری): پھلوار، پھلواری

(۲) "واڑ" "واڑا" (واڑی): ہرواڑ، پچھواڑا، پن واڑا (پان واڑا)، اکھاڑا، اکاڑی، پچھاڑی۔

(۳) "باڑ" "باڑا" (باڑی): امام باڑہ، بانس باڑی۔

یہ نصف لاحقہ ہے کہ تنہا احاطے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

(ا) یہ لاحقے پراکرت "واٹ" سنسکرت "وٹ" (احاطہ) سے ماخوذ ہیں۔ "باڑ" میں "و" کو "ب" سے اور "وار" میں "ڑ" کو "ر" سے بدل کر لفظ کو کسی قدر ہلکا یعنی سہل التلفظ بنا لیا گیا ہے۔

(۴) "ےال" "ےالا" (یال): سسرال (سسر + ےال)، ددھیال (دادی + یال)، ننھیال (نانی + یال)، شوالا (شو + ےالا)، دھنوالا (دھنواں + ےالا)۔ "ےال" سنسکرت "آلے" (یہ جگہ) سے لیا گیا ہے۔

(۵) "سار" "سال" (سالا): ٹکسال (ٹکا + سال)، گھڑسال (گھوڑا + سال)، پنسال (پانی + سال)، کھنڈسار (کھانڈ + سار)۔ "سار" (شال) سنسکرت "شالا" کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ اردو میں "شالا" بھی استعمال ہوا ہے۔ پاٹھ شالا، دھرم شالا وغیرہ۔

(۶) "نا" "ےانا" (یانا): جھرنا (جھر + نا)، رمنا (رم + نا)، گھڑانا (گھڑ + ےانا)، گھرانا (گھر + ےانا)، سمدھیانا[1] (سمدھی + ےانا)، سرہانا (سر + ہانا)۔ "ہانا" (ےانا) سنسکرت "ستھان" کا بگاڑ ہے۔ ستھان = تھان، ہان + ا = ہانا۔

(۷) ستان: گلستان، بوستان، نارستان۔

(۸) گاہ: گزرگاہ، شکارگاہ، سیرگاہ۔

(۹) خانہ: دواخانہ، مےخانہ، کبوترخانہ۔

(۱۰) زار: لالہ زار، گلزار، سبزہ زار۔

یہ چار لاحقے فارسی سے لیے گئے ہیں اور فارسی عربی الفاظ ...

---

[1] "گھرانا" اور "سمدھیانا" خاندان کے معنی بھی دیتے ہیں: گھرانا، کنبا، خاندان۔ "سمدھیانا" سمدھی کا خاندان۔

(کے ساتھ) مستعمل ہیں[1]۔

۴۸ ـــــــ زمانہ بتانے کے لیے عموماً اسم کے آخر میں "ے" (یائے مجہول) بڑھاتے ہیں، جیسے: سویرے، آگے، پیچھے[2]۔

اس سے ظرف مکاں کا کام بھی لیا گیا ہے، دریا کنارے، مکّے، مدینے۔

تری آواز مکّے اور مدینے

فارسی عربی الفاظ کے آخر میں "گاہ" بڑھاتے ہیں۔ سحرگاہ، صبح گاہ، آرام گاہ۔

۴۹ ـــــــ "مَفْعِل" "مَفْعِلَہ" عربی اسم ظرف کے اوزان بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ ان کے ماقبل آخر حرف پر زیر بھی ہوتا ہے اور زبر بھی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مسجد، منزل، مشرق، مغرب، مجلس، محفل، مصدر، منبع، مکتب، مدرسہ، مقبرہ، مطبع، مقتل، مسند۔

مُتّکا (تکیہ گاہ) مفتعل کے وزن پر ہے۔ یہ اردو میں بہت کم استعمال ہوا ہے۔

---

[1] (۱) کدہ: میکدہ، گلکدہ، صنم کدہ، بتکدہ، دانشکدہ، ماتم کدہ، ظلمت کدہ، غمکدہ۔

(۲) دان: گلدان، پیکدان، پاندان، اگردان، ناشتہ دان۔

(۳) سرا (ے): مہمان سرا، حرم سرا، ماتم سرا۔

مندرجہ بالا اسم ظرف کے علاوہ اور بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ (ق)

[2] اس 'ے' کو ہم امالے کا عمل بھی قرار دے سکتے ہیں کہ اصلاً آخری حرف 'الف' یا 'ہ' (ہائے مختفی) ہے جو امالہ کی وجہ سے 'ے' سے بدل جاتے ہیں۔ (ق)

اسم مرکب

۵۰ ـــــــ ایک حیثیت کے دو کلمے جب گھل مل کر ایک ہو جائیں اور ایک معنی دینے لگیں تو اسم مرکب وجود میں آئے گا: جنم پترا، گھڑ دوڑ، کفن کھسوٹ، پڑی مار، لم ٹنگو، اچھل کود۔

(الف) مرکب کے اجزا میں قواعدی تعلق تو ہوتا ہے، قواعدی تعلق ظاہر کرنے والی علامت نہیں ہوتی مرکب لفظی اور معنوی اعتبار سے ایک اکائی (UNIT) ہے۔ دو لفظوں کے ایک وحدت میں ڈھل جانے کی وجہ سے لفظی اور ایک معنی دینے کی وجہ سے معنوی اکائی۔

"بھلا مانس" "نیک و بد" بظاہر مرکب معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ گھل مل کر ایک نہیں ہوئے اس لیے انھیں اور ان جیسے تمام الفاظ کو ارتباطی مرکبات کے ذیل میں رکھا جائے جن کے لیے میں ترکیب کا لفظ تجویز کر چکا ہوں۔

(ب) اردو مرکبات کی 'اصیل' 'دخیل' دو قسمیں ہیں جن میں سے 'دخیل' سنسکرت کے بھی ہیں اور فارسی (عربی) کے بھی۔ سنسکرت کے کم اور فارسی (عربی) کے زیادہ۔

۵۱ ـــــــ معنی کے لحاظ سے اردو مرکبات کو دو بڑے حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ مرکب اسمی ذات یا معنی پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے: اچھل کود، خاک دھول، دھینگا مشتی، اڑوس پڑوس، بھیڑ بھاڑ۔

مرکب وصفی۔ یہ موصوف بصفت یعنی صفت والی ذات بتاتا ہے۔ جیسے: ادھوا، بھولا بھٹکا، نیک چلن، شرواچٹ، کھال اپاڑ، بھُکڑ ڈلا۔

مرکب وصفی کو جسے سنسکرت میں "بہوبریہی سماس" کہتے ہیں، سنسکرت قواعد نویسوں نے مرکب کی جداگانہ قسم قرار دیا ہے۔

۵۲ ـــــــ ساخت کے اعتبار سے اردو مرکبات کی چار قسمیں کی گئی ہیں:

۱۔ مرکب عطفی: سنسکرت کا "دوندو سماس" مولوی عبدالحق مرکب ربطی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

یہ جن دو کلموں سے ترکیب پاکر بنا ہے [illegible]

وجہ سے تخفیف کی نذر ہو گیا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

(ا) دونوں کلمے معنی کے اعتبار سے مختلف ہیں:

(۱) دونوں اسم ہیں، جیسے: ماں باپ، بھائی بہن، باپ بیٹا، دن رات، جوتا ٹوپی، ہاتھ پاؤں، آنکھ ناک، ناک نقشہ، تانا بانا، کھیتی باڑی، انگیا کرتی، کام دھام، دل گردہ، کھٹ مٹھا، دہی بڑا، سانجھ سویرے۔

(۲) دونوں فعلی مادے یا اسم ماخوذ ہیں، جیسے: توڑ جوڑ، آر جار، گھٹتی بڑھتی، کمی بیشی، ہار جیت، ادھیڑ بن، لیا دیا، لیا پتا، پڑھا لکھا، آیا گیا، کھانا پینا۔

(ب) دونوں کلمے ہم معنی یا قریب المعنیٰ ہیں:

(۱) دونوں اسم ہیں، جیسے: خط پتر، خاک دھول، کام کاج، چھل فریب، راج پاٹ، ریل پیل، بھلا چنگا، حساب کتاب، گھر بار، نوکر چاکر، بھائی بند۔

(۲) دونوں فعلی مادے یا اسم ماخوذ ہیں۔ جیسے: بھول چوک، دیکھ بھال، سمجھ بوجھ، جانچ پڑتال، لوٹ کھسوٹ، پکڑ دھکڑ، مار دھاڑ، تاک جھانک، کاٹ چھانٹ، اچھل کود، کتر بیونت، چلت پھرت، جھاڑ پونچھ، پالا پوسا، بھولا بھٹکا، گیا گزرا، پکڑ دھکڑ، میل جول، روک تھام۔

وہ مرکبات بھی عطفی ہی سمجھے جاتے ہیں جن میں عاطفہ کا قائم مقام الف اتصال (یا لاحقہ ۔ وں) ہے۔ جیسے: جھڑا جھڑ، بیچا بیچ، دھینگا مشتی، دھکا پیل، شبا شب، سراسر، سراپا[*]

۵۳ ـــــ مرکب عطفی کی دوسری قسم کو (جس کے دونوں کلمے ہم معنی ہیں) مرکب ترادفی کا نام دیا گیا ہے اور اس کی موضوع اور مہمل دو قسمیں کی گئی ہیں۔ جزو اوّل کے پہلے حرف کو 'و' سے بدل کر مرکب کا دوسرا جز قرار دے کر کہتے ہیں۔ روٹی ووٹی، پانی وانی، دال وال۔ یہ مہمل ہے۔

انشا نے دریائے لطافت (ص ۹۹ ۔ ۱۰۶) میں مرکب کی اس قسم کا ذکر کیا ہے۔

"مہمل ہندی بہ تبدیل حرف اوّل ہر لفظ بامعنی با وزارت (و) باشد مثل: گھوڑا ووڑا، لوٹا ووٹا، آگ واگ، جہبوں وبھوں، چناؤ نا اور پانی وانی۔"

(ل) غالباً عربی "وغیرہ" سے تراشا گیا ہے۔ "لٹھا وٹھا" کے معنی ہیں لٹھا وغیرہ۔ کسی کو بازار سے لٹھا خریدنا ہو تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ مجھے لٹھا لینا ہے۔ یہ بدشگونی ہوگی اس لیے کہ لٹھا کفن کے لیے بھی خریدا جاتا ہے۔ لٹھا کے ساتھ 'وٹھا' اضافہ کر کے کہے گا لٹھا وٹھا خریدنا ہے۔

[*] آخر کے تین کلمے فارسی کے ہیں۔

بعض مرکبات میں 'و' کی جگہ 'م' (غالباً فارسی توابع کے زیر اثر) دیکھا گیا ہے:

سچ مچ، جھوٹ موٹ۔

۵۴ ـــــ مرکب ترادفی کی دوسری قسم موضوع کی دو ذیلی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں ایک کلمے کو مکرر کر کے 'ا' (الف ساکن) سے جوڑ دیتے ہیں، جیسے: جھڑا جھڑ، چھپا چھپ، جھلا جھل، پٹا پٹ، جھما جھم، دھما دھم، شپا شپ، دھڑا دھڑ، کھٹا کھٹ، چھنا چھن، کھنا کھن۔

"ان کلموں کی یہ وضع حکائی الفاظ کے ساتھ خاص ہے۔ الف صوتی تسلسل ظاہر کرتا ہے اور اس کا امکان ہے کہ یہ الف فارسی الف اتصال کا شرمندۂ احسان ہو۔"

دوسری قسم کے کلموں کو 'م' سے جوڑا جاتا ہے۔ یہ 'م' سنسکرت ہے جنس کی علامت نہیں تو اسے عربی منصوب تنوین کا قائم مقام ہونا چاہیے: کشتم کشتا، لٹھم لٹھا۔ ٹالم ٹول (اسے ٹال مٹول بنا لیا گیا)، ٹھونسم ٹھانس، گھونسم گھانس، دھکم دھکا، ٹھیکم ٹھاک، پورم پور۔

اس کی خصوصیت یہ ہے کہ پہلے جز میں 'و' (ی) ہو تو دوسرے جز میں 'ا' ہوگا۔ جیسے: گھولم گھال، گھونسم گھانس، ٹھیکم ٹھاک، بچم چاخ۔

اس کے برعکس پہلے جز میں 'ا' ہو تو اس کے مقابل دوسرے جز میں 'و' ہوگا۔ جیسے: ٹالم ٹول، گالم گول۔

۵۵ ـــــ مرکب ترادفی کی چار قسمیں اور بھی ہیں جن کی بنیاد آہنگ پر ہے:

(۱) مرکب تکراری: اس کی دو صورتیں ہیں:

(ا) مرکب کے جزِ اوّل کو جوں کا توں دُہرا دیا جائے۔ جیسے: کھٹ کھٹ، پھٹ پھٹ، بھل بھل، ٹپ ٹپ، بھن بھن، جھپ جھپ، جھن جھن، دھم دھم، سن سن، بھڑ بھڑ، بھوں بھوں[1]

اس کے اجزا عموماً یک رُکنی ہوتے ہیں۔

(ب) جزو اوّل کی درمیانی علت کو الف سے بدل کر مرکب کا جزو ثانی بنا دیا جائے۔ جیسے: بھیڑ بھاڑ، بیٹھ باٹھ، پوچھ پاچھ، تول تال، دیکھ داکھ، دھوم دھام، ڈھونڈ ڈھانڈ، چھیڑ چھاڑ، سوچ ساچ، ٹھیک ٹھاک، گھول گھال۔

(۲) اگلی جوڑے جن کے پہلے حرف کو بدل دیا گیا ہے۔ باقی حروف مشترک ہیں: آس پاس، اور چھور، پکڑ دھکڑ، تاک جھانک، توڑ پھوڑ، ٹوٹ پھوٹ، چک وک، رس بس۔

[1] یہ بھی حکائی مادوں کی خصوصیت ہے۔ (ق)

رل مل ، ریل پیل ، کاٹ چھانٹ ، لپ جھپ ، لڑائی بھڑائی ، مانگا تانگا ، اختر بختر ، انغل بغل ، اڑوس پڑوس ، الم غلم ، اول جلول ، اول بدل ، اینڈا بینڈا ، الگ تھلگ ، آنا پتا ، کلا ٹھلا ، ٹالا بالا ۔

(۳) ایک ہی حرف سے شروع ہونے والے کلموں کے جوڑے : میل ملاپ ، پاس پڑوس ، در دوار ، دھن دولت ، کام کاج ، گھن گرج ، ڈھور ڈنگر ، ڈھول ڈھپڑا ، دوڑ دھوپ ، چوری چکاری ، دن دہاڑے ، مال مسالا ، ناک نقشہ ، رنگ رُوپ ۔

(۴) پہلا جز الف سے ہے دُوسرا 'س' یا 'ش' سے : اٹ سٹ ، انٹ شنٹ ، اناپ شناپ ، اگرم سگرم ۔

ان مرکبات کے پہلے یا دوسرے جز کو عموماً بے معنی سمجھا جاتا ہے ۔ یہ درست نہیں ۔ سید انشاء نے ان کو با معنی قرار دیا ہے :

" کلا ٹھلا ، ٹالا بالا ، تانا بانا ۔ اگر کسے بگوید کہ دریں ہر سہ لفظ مذکور لفظ دوم مہمل لفظ اوّل است غلط می گوید " (دریائے لطافت : ص ۱۹۵)

II ـــ مرکب نحوی : سنسکرت " تت پرش " ۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اس کا نام غالباً پلیٹس کی تقلید میں مرکب " تابع " تجویز کیا تھا ۔ جن دو اسموں سے یہ ترکیب پاتا ہے ان میں درج ذیل نحوی تعلقات میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے ۔

(۱) اضافی : پہلا مضاف ہو دُوسرا مضاف الیہ :

باگ ڈور (باگ کی ڈور) پن چکی (پانی کی چکی) ، کال کوٹھری (کال کی کوٹھری) مُڈی دَل (مُڈی کا دَل) لکھ پتی (لاکھ کا پتی) گھوڑ دوڑ (گھوڑے کی دوڑ) پن گھٹ (پانی کا گھاٹ) پت جھڑ (پتے کا جھڑ) امرس (آم کا رس) کپڑ گندھ (کپڑے کی گندھ) ہتھکڑی (ہاتھ کی کڑی) راج پوت (راجا کا پوت) بھیڑاچال (بھیڑ کی چال)[1] کن ٹوپ (کان کا ٹوپ) منجدھار (منجھ کی دھار) کٹھ پتلی (کاٹھ کی پتلی) ، چمرس (چمڑے کا رسا)[2]

---

[1] "بھیڑاچال" کا تجزیہ " بھیڑ + ا + چال " ہے ۔ یہ مرکب اس ذیل میں نہیں آتا اس کے مقابل " بھیڑچال " اس ذیل میں آتا ہے (ق)

[2] " چمرس " کا تجزیہ " چم : چمڑا + رس : نچوڑ ، عرق " وغیرہ ۔ اس کے معنی ہیں " وہ زخم جو چمڑے کی جوتی سے پیدا ہو " ۔ زخم چونکہ ابتدا میں چھالے کی صورت ہوتا ہے اس لیے اس زخم کو " چمرس " کہا جاتا ہے ۔ وہ رطوبت جو چمڑے کی وجہ سے جلد سے خارج ہو ۔ یہاں ' رسا ' نہیں ہے ۔ (ق)

(۲) مفعولی : پہلا دوسرے کا مفعول ہو :

شروا چٹ (شوربے کو چاٹنے والا) ، بٹ مار (بٹ : راہ کو مارنے والا) ، کھال اپاڑ (کھال کو اپاڑنے والا) ، ہری چُگ (ہری گھاس کو چگنے والا) کفن کھسوٹ (کفن کو کھسوٹنے والا) ، چڑی مار ، تل چٹا ، گٹھ کٹا ۔

(۳) ظرفی : پہلا دوسرے کا ظرف ہو :

کپڑ چھن (کپڑے میں چھاننا) ، چادر چھپول (چادر میں چھپنا) بھڑ بھونجا (بھاڑ میں بھُوننے والا) گھر گھسنا (گھر میں گھسنے والا) ، بن باس (بن میں رہنا) ، گھُڑ چڑھی (گھوڑے پر چڑھنا) ۔

(۴) مجروری : جن کے درمیان حرف سے مقدر ہو :

دیس نکالا (دیس سے نکالا) ، مُنہ بولا (مُنہ سے بولا) ، رس بھری (رس سے بھری) ، آنکھوں دیکھا (آنکھوں سے دیکھا) ، قدموں لگی (قدم سے لگی) ۔

III ـــ مرکب توصیفی : سنسکرت " کرم دھارے " صفت موصوف کی ترکیب سے وجود میں آتا ہے ۔

لم ٹنگو ، بڑکنا (بڑے کان والا) ، لم ڈھڈ ، کچالو ، رتالو (رکت آلو) ، اکل کھرا ، تھڑ دلا ، بڑھ بولا ، کل جیبھا ، بڑھ موا ، بھل منسات ۔

IV ـــ مرکب عددی : سنسکرت ' درگو ساس ' عدد اور معدود کے ملاپ کا نتیجہ ہوتا ہے ۔

چوراہا ، تراہا ، پنج محلا ، ست لڑا ، دُوپٹا ، ادھ موا ، نکھ لٹ ، اٹھوانسا ، ترپولیا ، دوباجو ، نوگزا ، نونگا ، تماہی ، چوماسا ۔

مرکب توصیفی کو مرکب نحوی کے ذیل میں رکھا جا سکتا ہے ۔ صفت و موصوف کا تعلق بھی تو آخر نحوی تعلق ہی ہے ۔ اس لیے قرینِ صواب یہ ہے کہ اُردو مرکبات کی ساخت کے اعتبار سے صرف تین قسمیں کی جائیں ۔

مرکبات کی ترکیبی ہیئت پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ صفت کا صیغہ ڈھالنے کے لیے مرکب کے آخری جز پر الف یا ' و ' فاعلی اضافہ کرتے ہیں ۔ جیسے : بڑکنا ، تھڑ دلا ، کلموا ، بڑھ بولا ، ترپولیا ، تل چٹا ، گھر گھسنا ، لم ٹنگو ۔

خاص خاص صورتوں میں فارسی کے قیاس پر بھی محض ترکیب ہی سے وصفی معنی پیدا کیے گئے ہیں ۔ جیسے : لم ڈھڈ ، نکھ لٹ ، چڑی مار ، کفن کھسوٹ ، کھال اپاڑ ، شروا چٹ ، ہری چگ ۔

VI ـــ تراکیب کی صورت میں تانیث کا [illegible] مرکب کے پہلے جز پر نہیں رہتا اس سے پتہ

جز کے طویل مصوتے مختصر ہوجاتے یا محذوف کر دیے جاتے ہیں -

(۱) الف ممدودہ سادہ الف رہ جاتا ہے، اور آخر کا الف گر جاتا ہے : اٹھوانسا (آٹھ + وانسا)، امرس (آم + رس)، ادھموا (آدھ + موا)، کلموا (کل، کالا + موا) بڑبولا (بڑا + بولا)، پن کٹی (پان + کٹی) -

(۲) درمیانی 'و' پیش سے بدل جاتا اور آخر کا 'ا' گر جاتا ہے[1] گھڑسال (گھوڑا + سال)، تھڑدلا (تھوڑا + دلا)، پھل جھڑی (پھول + جھڑی)، گرُبچن (گورو + بچن)، دُپٹا (دو + پٹا)، دُنالی (دو + نالی) -

(۳) درمیانی 'ی' زیر سے بدل جاتی ہے اور آخر کی حذف ہوجاتی ہے : بڑھ بولا (بڑھا + بولا)[2]، تل چٹا (تیل + چٹا)، اک رہا (ایک + رہا)، ترپولیا (تری پولیا)، پن کال (پانی + کال)، کل جبھا (کالی + جیبھا) -

۵۷ ـــــ دباؤ دوسرے جز کے آخری حرف پر ہوتا ہے اس لیے دُوسرے جُز کے درمیانی طویل مصوتے بھی تخفیف کی نذر ہوجاتے ہیں : ہتھ چھٹ (ہاتھ + چھوٹ)، کھٹ مٹھا (کھٹا + میٹھا)، بگ ٹٹ (باگ + ٹوٹ)، بھل منسات (بھلا + مانس + ات)، کل مچھے (کال + موچھے)، بڑکنا (بڑا + کانا)، لم ڈڑھ (لمبی + داڑھی)، لم ٹنگو (لمبی + ٹانگ + و)، کل جبھا (کالی + جبھ + ا) -

"پاک ہند" "ہند آریائی" "ہند ایرانی" قسم کے جدید عطفی مرکبات براہِ راست انگریزی سے ترجمہ ہوئے اور انگریزی قاعدے کے مطابق ہندی کی "ی" اور پاکستان کا "ستان" گرنے کے بعد وجود میں آئے ہیں -

۵۸ ـــــ سنسکرت کے صرف چند ہی دخیل مرکبات اردو میں رائج ہیں یہ عطفی بھی ہیں نحوی بھی ہیں اور توصیفی بھی : ماتا پتا، شبھ لگن، مہاجن، مہاکاج، ان داتا، موہن بھوگ، پاپ پن، راجا پرجا، پوجا پاٹ -

عربی اضافی ترکیبیں صرف ادبی زبان ہی میں برتی گئی ہیں : سہل الحصول، عسیر الفہم، عام الورود، فارسی الاصل، عظیم الجثہ، اثاث البیت، رائج الوقت، راقم الحروف،

---

[1] یہاں یہ اضافہ چاہیے " اور آخر میں اگر 'ا' یا 'و' ہو تو وہ گر جاتا ہے - پھل جھڑی، گربچن، دُپٹا " کے آخر میں الف نہیں ہے - یہاں اس مرکب میں آخر جُز پر 'ا' یا 'ی' کا اضافہ بھی کیا جاتا ہے - جیسا کہ دُپٹا دُنالی میں ہوا ہے - "گھڑسال" کا ایک روپ "گھڑ سالا" بھی ہے - (ق)

[2] یہ ... لے ذیل میں آتا ہے (ق)

سہو القلم، زلۃ القدم -

یہاں جزو اوّل (مضاف) کے آخر میں 'ۃ' اور جزو آخر (مضاف الیہ) کے شروع میں 'ال' کا ہونا ضروری ہے -

۵۹ ـــــ اسم فاعل اور اسم مفعول (ترکیبی) کے علاوہ فارسی مرکبات جو اردو جنتر پر کھینچ لیے جانے یا اردو مرکبات سے ہم آہنگی کے باعث دخیل مرکبات کا درجہ حاصل کر چکے ہیں دُو طرح کے ہیں :

(۱) عطفی : ان کے درمیان کا عاطفہ اُردو عطفی مرکبات کے زیر اثر تخفیف ہوگیا ہے - جیسے : کاربار، آب دانہ، آب ہوا، آمد رفت، خط کتابت، امیر غریب، پیر پیمبر، خدا رسول، عالم فاضل، پیر فقیر، دار مدار، کش مکش، قیل قال، ہرج مرج، تار پود -

ان کے بیچ میں حرف عطف لانا نہ صرف غیر فصیح ہے بلکہ اکثر غلط ہوتا ہے[1]

الف اتصال سے جوڑے جانے والے مرکبات بھی، جن کا ذکر کیا گیا ہے اسی ذیل میں آتے ہیں : کشاکش، رستاخیز، تگاپو، برابر، شپاشپ، لبالب، دمادم، سراسر، سراپا -

لیکن جوق جوق، دم دم، قدم قدم، جو جو، ذرہ ذرہ، روز روز، لمحہ لمحہ جیسے کلمے جن میں لفظ کو دُہرایا گیا ہے تکراری مرکبات میں شامل ہوں گے -

(۲) امتزاجی : پہلو بہ پہلو رکھے ہوئے دُو کلمے جن میں اضافت تو ہے لیکن کسرۂ اضافت نہیں یا ان کی ترتیب اضافی ترتیب کے خلاف ہے - جیسے : سپہ سالار، پیش قبض، سرمایہ، سرفہرست، شاہ راہ، نیم روز، دولت کدہ، شہنشاہ، خانساماں، پس کوچہ، پس منظر، سرمنزل، سردفتر، سرحلقہ، میر آب، خان خاناں، روزنامہ، پندنامہ، شہر پناہ، پیش امام -

فک اضافت یا قلب اضافت فرض کر کے جو یہ کہا گیا ہے کہ ان کے درمیان سے کسرہ حذف کر دیا گیا یا ترتیب الٹ کر مضاف کو مضاف الیہ بنا دیا گیا یہ صحیح نہیں - قدیم فارسی اور پہلوی میں ایسے مرکبات بھی ہیں جن کے درمیان سرے ... کسرۂ اضافت

---

[1] ڈاکٹر صاحب نے یہاں حاشیہ نہیں لکھا صرف نمبر ڈال دیا گیا ہے " پیر پیمبر، خدا رسول، پیر ... کش مکش، ہرج مرج " میں واو عاطفہ لانا غلط ہے - باقی میں اگر عاطفہ استعمال کیا جائے تو مضائقہ نہیں - ق

تھا ہی نہیں۔

٦٠ ـــــــ ترکیبی اسم فاعل اور اسم مفعول عموماً امر حاضر کے شروع میں اسم کے اضافے سے وجود میں آتے اور صفت والی ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے: بدخواہ، راہ رو، خدا شناس، تخت نشین، گھڑی ساز، دغاباز، سٹے باز، سونٹے بردار، کفش بردار، راہ نما، جاں باز، خوش نویس، جامہ زیب، خاک روب، بندہ نواز، سحر خیز، سبق آموز، خاک آمیز، جاروب کش، محنت کش۔

٦١ ـــــــ دو اسم (ایک صفت، ایک اسم) کے اجتماع سے جو مرکب وجود میں آئے اسے بھی فاعلی یا مفعولی مرکب کے ذیل میں رکھیے: سنگ دل، پیل تن، خوب رو، پری رو، گل عذار، نیک نام، بدنام، نیک خو، بدمعاش، پاک دل، بدگماں، خام خیال، نازک بدن، آہو چشم، شیر دل، گمراہ، بدراہ۔

تغیرات اسم

٦٢ ـــــــ اسم منصرف یعنی تغیر پذیر کلمہ ہے، جس کے تغیرات کو ذیل کی چار ضمنی شقوں میں رکھا جا سکتا ہے:

(۱) اسمی ماخذ یا اصل جسے گردانا جائے (STEM)
(۲) جنس یعنی نر و مادہ کی تشخیص (GENDER)
(۳) عدد یعنی اس امر کا تعین کہ اسم واحد ہے یا جمع (NUMBER)
(۴) حالت (CASE)

اردو میں معلول الآخر اسما بھی ہیں اور صحیح الآخر بھی، یعنی مصوتوں پر بھی ختم ہوتے ہیں اور مصمتوں پر بھی۔

۱۔ مصوتے جن پر اسما ختم ہوتے ہیں:

"ـَا" : پنکھا، ڈورا، پرزا، گھٹا، گدھا۔
"ـِی" : دھوبی، بھنگی، چاندی، پانی۔
"ـُو" : لٹو، پٹو، تھبو، نکھو۔
"ـٗو" : بازو، بالو، ستو، نیبو۔
"ـِے" : چوبے، پانڈے۔
"ـَے" : ٹلے، نے، پے، شے، بجے، لے۔
"ـَو" : سو، رو، نو، پو۔

۲۔ مصمتے (صحیح حروف) جن پر اسما کا اختتام ہوتا ہے:

"ب" : سب، رب، کب، چھب۔
"بھ" : لابھ، جیبھ۔
"پ" : ناپ، سانپ، دھپ، ڈھپ۔

"پھ" : پھاپھ (بھاپ) ۔

"ت" : ریت، کھیت، ست، بھات ۔

"تھ" : ہاتھ، ساتھ، ناتھ ۔

"ٹ" : گھاٹ، بھاٹ، پیٹ ۔

"ٹھ" : کاٹھ، ساٹھ، مٹھ، لٹھ، پیٹھ ۔

"ث" : عبث، خبث، توارث ۔

"ج" : آج، کاج، راج، چھاج ۔

"جھ" : سانجھ، بانجھ ۔

"چ" : سچ، پیچ، کیچ ۔

"چھ" : پوچھ، مونچھ ۔

"ح" : ریاح، سیّاح، مباح ۔

"خ" : رُخ، پخ، چرخ ۔

"د" : داد، کھاد، شاد، آباد ۔

"دھ" : دودھ، باندھ، راندھ ۔

"ڈ" : رانڈ، ڈنڈ، سونڈ ۔

"ڈھ" : مُڈھ، ڈھونڈھ ۔

"ذ" : لذیذ، نبیذ ۔

"ر" : کار، یار، دھار، سوار ۔

"ڑ" : راڑ، باڑ، جھاڑ، ماڑ ۔

"ڑھ" : کاڑھ، داڑھ، باڑھ، اساڑھ[1] ۔

"ز" : باز، ناز، ساز، راز ۔

"س" : ماس، کانس، ساس، سانس ۔

"ش" : پاش، نعش، خویش، دیش ۔

"ص" : مرخص، خصوص، منصوص ۔

---

۱ "ژ" کو بھی شامل کرنا چاہیے تھا۔ اس پر ختم ہونے والے الفاظ اردو میں اگرچہ زیادہ نہیں لیکن کم از کم ایک لفظ "کژ" (ٹیڑھا) تو پایا جاتا ہے جو مرکب اسم "کژدم" (بچھو) میں موجود ہے۔ (ق)

"ض" : قبض، نبض، فیض ۔

"ط" : ربط، خبط، ضبط، بط ۔

"ظ" : غیظ، حظ ۔

"ع" : رکوع، ربع، ضلع ۔

"غ" : مرغ، باغ، صباغ ۔

"ف" : برف، حرف، صاف، ناف ۔

"ق" : رونق، سیاق، سباق، سبق ۔

"ک" : چاک، تاک، ناک، باک ۔

"کھ" : راکھ، ساکھ، پاکھ ۔

"گ" : راگ، ناگ، ساگ، سانگ ۔

"گھ" : باگھ، جانگھ ۔

"ل" : مال، رال، سال، دال ۔

"م" : نام، شام، جام، رام ۔

"ن" : ران، کان، پان ۔

"ہ" : چاہ، راہ، باہ ۔ (ظاہر[2])
: نامہ، خامہ، قلعہ ۔ (مخفی[3])

"و" : گھاو، چاو، ناو ۔

"ے" : گاے، راے، چاے ۔

۴۳ ــــ اردو کا کوئی اسم قصیر مصوتے (زیر، زبر، پیش) پر ختم نہیں ہوا، سب ساکن الآخر ہیں۔ اس لیے:

(۱) کسی اسم کا آخری حرف مشدد (مکرر) نہیں اور جو مشدد تھے وہ مخفف کر لیے گئے۔ جیسے: شاذ، اجل، شد، مد، رد ۔

(۲) کسی اسم کا اختتام ہمزہ پر نہیں ہوا اور جن عربی اسما کے آخر میں ہمزہ تھا ان کا ہمزہ گرا دیا گیا۔ جیسے: اسما (ء)، ارتقا (ء)، التقا (ء)، ابتلا (ء) ۔

---

۲ مراد 'ہائے ہوز' سے ہے۔ (ق)

۳ مراد 'ہائے مختفی' سے ہے۔ (ق)

۶۴ــــــ اردو اسما کا آخری الف ہریانی اور برج کے "ـُـو" کا اور بنگالی آسامی، اڑیا میتھلی کے "ـِـے" کا قائم مقام ہے شاید اس لیے ان دو مصوتوں پر ختم ہونے والے اسما اردو میں کم ہیں۔ "ا" پر ختم ہونے والے اسما کی بہتات یا بھرمار یہ بتاتی ہے کہ اردو "ا" والی بولی ہے۔

۶۵ــــــ پاک ہند کے مشرقی علاقے میں بولی جانے والی بولیوں بہاری، بھوجپوری وغیرہ میں عموماً اسم کی دو یا تین شکلیں ملتی ہیں (طویل، قصیر، طویل تر)۔ جیسے: گھوڑ، گھوڑا، گھوڑوا، مالی، مالیا، مالیاوا وغیرہ۔ لیکن اردو میں بستر، بسترا، ڈور، ڈورا، پور، پوروا وغیرہ۔

چند اسما کو چھوڑ کر (جن کی دو شکلیں رائج ہیں) ایک اسم کی عموماً ایک ہی شکل ہوتی ہے۔ بیشتر طویل کمتر قصیر۔

"وا" "یا" تصغیری لاحقے ہیں۔ جن اسما کے آخر میں لاحقے ہوں انھیں اسم مصغر سمجھیے۔ جیسے: گھروا، دروا، جُروا، کھٹیا، بِٹیا، لُٹیا۔

جنس

۶۶ــــــ نر و مادہ کے امتیاز پر جنسی کلمے کی تقسیم "جنس" ہے۔ حقیقی اور غیر حقیقی (لفظی)۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ جان دار اشیا کی جنسی امتیاز حقیقت پر مبنی ہے۔ اس لیے جان دار چیزوں پر دلالت کرنے والے اسما کی جنس حقیقی ہوگی اور بے جان چیزوں پر دلالت کرنے والے اسما کی جنس غیر حقیقی یعنی لفظی۔

مالی، مالن، گھوڑا، گھوڑی، ہرن، ہرنی کی جنس حقیقی ہے۔ سونا، چاندی، پیسا، دھیلی، قلم، کتاب کی جنس غیر حقیقی۔

جنس حقیقی کی مذکر و مونث (نر و مادہ) دو قسمیں ہو سکتی ہیں: اس لیے کہ جاندار کی صرف دو ہی اصناف ہیں۔ قدرت نے بھی انھیں جوڑے جوڑے [ازواجاً (نر و مادہ)] پیدا کیا ہے۔ لیکن بے جان چیزوں کا جنسی امتیاز فرضی ہے۔ اس لیے سنسکرت وغیرہ قدیم آریائی اور دراوڑ نسل کی زبانوں میں بے جان چیزوں کے تین تین جوڑے رکھے گئے ہیں۔ مذکر، مونث اور بے جنس (نہ مذکر نہ مونث)۔ جنس کی اس تیسری قسم کو سنسکرت میں "نپن سک" اور انگریزی میں "NEUTER" کہتے ہیں۔

اُردو میں جنس حقیقی کے قیاس پر غیر حقیقی کی بھی مذکر و مونث دو ہی قسمیں ہیں۔ بے جنس اسما کا اردو میں کبھی وجود تھا آج یہ اسما اردو میں مذکر ہیں اور عموماً مذکر بولے جاتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو مونث ہیں اور مونث بولے جاتے ہیں۔

(۱) جنس حقیقی

۶۷ــــــ ایک لفظ کو ردّ و بدل کے بعد عموماً مذکر یا مونث بنا لیا جاتا ہے لیکن اردو میں (دُوسری زبانوں کی طرح) کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں جو مذکر ہیں یا مونث۔ مذکر کے لیے الگ لفظ ہے اور مونث کے لیے الگ:

مذکر	مونث
باپ ، باوا	ماں ، امّاں
بھائی	بہن
میاں ، خاوند ، شوہر	زوجہ ، بیوی
سسر	ساس
خصم	جورُو
صاحب	میم
نواب	بیگم
بادشاہ	ملکہ
غلام	لونڈی
بیل	گائے
مینڈھا	بھیڑ
لال[1]	چیتی[2]

جنس حقیقی میں مذکر کے مقابل مونث اور مونث کے مقابل مذکر کا ہونا ضروری ہے ، اس لیے ان پر دلالت کرنے والے لفظی جوڑے بھی ہوں گے (ایک لفظ سے بنے ہوں یا الگ الگ دو لفظوں سے) ۔ غیر حقیقی میں اس کی ضرورت نہیں کہ مذکر کے مقابل مونث یا اس کے برعکس مونث کے مقابل مذکر ہو ۔ لیکن کچھ اسما اردو میں مذکر ہیں ان کے مقابل مونث نہیں ، کچھ مونث ہیں ان کے مقابل مذکر نہیں ۔ نر مادہ کا امتیاز کر کے مذکر کے لیے مونث اور مونث کے لیے مذکر شاید اس لیے وضع نہیں ہوا کہ ان میں تذکیر و تانیث کا امتیاز مشکل ہے :

بیا[3] ، چوہا[3] ، طوطا ، کوا ، الّو ، خرگوش ، گدھ ، لنگور ، بھیڑیا ، تیتر[3] ، گینڈا ، چیتا ، تیندوا ، مچھر مذکر ہیں ۔

فاختہ ، مینا ، چیل ، ابابیل ، قمری ، مرغابی ، پن ڈبی[4] ، مکھی ، چھپکلی ، تتلی ، دیمک

---

[1] اس کی تانیث نہیں آتی ۔ (ق)

[2] یہ دراصل تصغیر ہے اور چھوٹے یاقوت وغیرہ کو کہتے ہیں ۔ اس کی وضاحت "لالڑی" سے بھی کی جاسکتی ہے ۔ یہ لفظ بے جان اسما میں تو شامل ہو سکتا ہے کہ تصغیر میں تانیث شامل ہو جاتی ہے ۔ (ق)

[3] چوہا کی تانیث چوہی اور چوہیا مستعمل ہے ۔ تیتر کی تانیث تیتری عام ہے ۔ بیا کی تانیث بھی بئی مروج ہے ۔ (ق)

[4] اس کا مذکر "پن ڈبا" موجود ہے ۔ (ق)

مونث ہیں ۔

جو اسما مذکر (یا مونث) ہیں اور ان کے مقابل مونث (یا مذکر) نہیں ، انھیں قواعدی جنس کے ذیل میں رکھا جائے اور ان کی تذکیر و تانیث کو (قواعدی جنس کی طرح) ان کی ساخت اور ظاہری بناوٹ پر انحصار قرار دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ "چوہا" "کوا" اس لیے مذکر ہیں کہ ان کے آخر میں "ا" ہے اور قمری ، مرغابی ، مکھی اس لیے مونث ہیں کہ ان کے آخر میں "ی" ہے ۔

۶۸ ـــــــ جن اسما کی جنس کسی علامت سے متعین ہوتی ہے ، علامت کے ردّ و بدل سے ان کی جنس میں تبدیلی کی جاسکتی اور مذکر سے مونث یا مونث سے مذکر لفظ بآسانی ڈھالا جاسکتا ہے ۔ مثلاً لڑکا ، لڑکی ، کنجڑا ، کنجڑن ، اونٹ ، اونٹنی ، شیر ، شیرنی ، ہاتھی ، ہتھنی ، جولاہا ، جولاہی ، کلّو ، کلّو (واو مجہول) وغیرہ ۔

ان مثالوں میں 'ا' کو 'ی' سے بدلا گیا ہے اور واو معروف کو واو مجہول سے ۔

بعض کلموں کے آخر میں 'ی' 'نی' یا 'ن' بڑھا کر مذکر کو مونث بنایا گیا ہے ۔

'الف' 'ہ' 'و' (معروف) اردو میں عموماً مذکر کی علامات ہیں اور 'ی' 'ن' 'نی' 'و' (مجہول) مونث کی ۔

مفصلہ ذیل اسما اردو میں مذکر ہیں :

(۱) پراکرتی اسما جن کے آخر میں "ا" ہے : بھینسا ، گدھا ، گھوڑا ، کتا ، مرغا ، لڑکا ، بیٹا ، بلا ، کوا ، طوطا ، کنجڑا ، چیتا ، گینڈا ، تیندوا ، بیا ، چچا ، دادا ، پھوپھا ، نواسا ، بھتیجا ، بھانجا ، پوتا ۔

دوا ، بوا ، امّا مستثنیٰ ہیں ، ان کا "ا" تانیث کے لیے ہے ۔

(۲) فارسی ، عربی ، اسما جن کے آخر میں 'ہ' (یا الف) ہے : چوزہ ، بچہ ، خواجہ ، پردہ ، بندہ ، شہزادہ ، بے چارہ ، سقا ۔

جن کے آخر میں تانیث کی 'ہ' (یا الف مکسورہ) ہے وہ مستثنیٰ ہیں : ساحرہ ، ملکہ ، معلمہ ، ساقیہ ، مسلمہ ، سلمیٰ ، لیلیٰ ، کبریٰ ۔

ہمشیرہ ، ہم شیرہ ، بیوہ کو بھی اسی ذیل میں رکھیں گے اگرچہ ان کی 'ہ' تانیث کی نہیں ۔

(۳) کلمے جن کے آخر میں 'و' (واو معروف) ہے : بچھو ، بجّو ، بدھو ، کلّو ، کھاؤ ، کماؤ ، اجاڑو ، پلسو ، پیہو ۔

(۴) اسما جن کے آخر میں 'ـِ ی' (نسبتی) یا 'چی' ہے: سپاہی، لاہوری، پنجابی، شہری، دیہاتی، پہاڑی، چپراسی، جنگلی، سوامی، حلوائی، قصائی، توپچی، خزانچی، مشعلچی، طبلچی۔

(۵) عربی اسم فاعل کے صیغے جو 'ی' پر ختم ہوتے ہیں: قاضی، منشی، مفتی، حاجی، راضی، ناجی، شاکی، ساقی۔

(۶) پیشہ وروں کے نام جن کے آخر کی 'ی' سنسکرت 'ـِ' کا بدل ہے یا اس کے قائم مقام ہے: تیلی، تنبولی، مالی، موچی، دھوبی، گھوسی، درزی، کولی، نائی، پجاری، بھنگی، مداری۔

۷۰ ــــــ لاحقات تانیث (ی، ن، نی وغیرہ) کی مدد سے مذکر کو مونث بنایا جاتا ہے:

(۱) 'ا' یا 'ہ' پر ختم ہونے والے اسما میں:

(i) 'ا' (ہ) کو 'ی' سے بدل کر: گدھی، گھوڑی، مرغی، لڑکی، بیٹی، بلّی، دادی، نانی، چچی، پھوپی، نواسی، بھتیجی، بندی، بچّی۔

(ii) 'ا' کو 'یا' سے بدل کر: کُتیا، چُوہیا، گدھیا، چڑیا[1]۔

(۲) 'ـِ ی' یا 'چی' پر ختم ہونے والے اسما میں:

(i) 'ی' کی جگہ 'ـَ ن' لگاکر: ساتھن، مالن، موچن، تنبولن، دھوبن، منشن، خزانچن، بھنگن، چپراسن، جوگن، نائن، گھوسن، پہاڑن، دیہاتن، بنگالن، پنجابن۔

(ii) 'ی' کی جگہ 'نی' لگاکر: قسائنی، حلوائنی، قضیانی، سپاہنی، بھتنی۔

(۳) 'و' پر ختم ہونے والے اسما میں 'و' معروف کو مجہول سے بدل کر: مٹکو، کلّو، کھڈّو، موٹو، بُدّھو، چترو۔

(۴) صحیح الآخر اسما کے آخر میں:

(i) "نی" یا "ـَ انی" اضافہ کرکے: شیرنی، اونٹنی، مامی (ماموں سے)، استانی (استاد سے)، سورنی، فقیرنی، مورنی، ڈومنی، مغلانی (مغل سے)، بھتنی (بھوت سے)، جٹھانی، دیورانی، مہترانی، پنڈتانی، سیٹھانی، سیدانی، جاٹنی، نٹنی۔

(ii) "ی" بڑھاکر: برہمنی، پٹھانی، کبوتری، چماری، کہاری، کمہاری، تیتری۔

(iii) "ـَ ن" بڑھاکر: ناگن، دکھیلن، کمہارن، سُنارن، لوہارن۔

(iv) "ـِ یا" لگاکر: بندریا[2]۔

۵۔ معلول الآخر اسما کے آخر میں:

(i) "ـَ ن" لگاکر: دلہن (دُولہا سے)، سقّن (سقّا سے)، بنجارن (بنجارا سے)، گھسیارن (گھسیارا سے)۔

(ii) "نی" لگاکر: مُلّانی (مُلّا سے)، ہندنی (ہندو سے)۔

۷۱ ــــــ عربی مستعار لفظوں میں تانیث کے لیے 'ہ' علامت تانیث اضافہ ہوتی ہے: معلمہ، مالکہ، سلطانہ، سائلہ، قافلہ، رئیسہ، فائقہ۔

اردو میں مشترک یا عام جنس (COMMON GENDER) نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مذکر کا اطلاق مونث پر کیا جائے یا مذکر سے مونث مراد لی جائے اور بچی کو بچہ سے اور گھوڑی کو جانور سے تعبیر کرکے کہا جائے، یہ میرا بچہ ہے، کیسا اچھا جانور ہے۔ اس صورت میں بھی 'بچہ' اور 'جانور' مذکر ہی رہیں گے۔ یہ مجازی استعمال ہے جسے قواعد میں تغلیب (مذکر کو مونث پر غلبہ کرنا) کہتے ہیں۔

(ب) جنس غیر حقیقی

۷۲ ــــــ جنس غیر حقیقی کی قیاسی اور سماعی دو قسمیں ہیں جو اسما لاحقہ تذکیر و تانیث کی بنا پر مذکر یا مونث قرار دیے گئے ان کی جنس قیاسی اور جو جنس علامت کے بغیر مذکر یا مونث بولے جاتے ہیں ان کی جنس سماعی ہوگی۔ 'چُولھا' اور 'کوٹھی' کی جنس قیاسی ہے۔ مشک اور قلم کی سماعی۔

جنس قیاسی

ا۔ حالاتِ ذیل کے حامل اسما اردو میں مذکر ہیں:

(۱) پراکرتی الفاظ جن کے آخر میں "ـَ ا" ہے: گھڑا، ڈبّا، چُولھا، مٹکا، کھٹولا، کرتا، ڈولا، دھڑا، ڈیرا، ڈھیلا، گدّا، بچھونا، دھرنا۔

سنسکرتی الفاظ جن کے آخر میں الف تانیث ہے اس سے مستثنیٰ ہوں گے: پُوجا، مایا، گنگا، جمنا، مالا، بھاشا، بھاکا، سبھا، جٹا، سیتلا۔

[1] ان میں 'ا' کو 'یا' سے نہیں بدلا گیا بلکہ 'ا' تصغیر کا ہے کیونکہ تانیث تو 'کتی'، 'چوہی' گدھی، چڑی' موجود ہے۔
* "چڑی کا غلام" عام ہے۔ 'بندری' بھی تانیث موجود ہے۔ تصغیر عموماً تانیث بنتی ہے اس لیے ان میں فرق ملحوظ نہیں رکھتے۔ ق

[2] ص ۶۴ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

'ہ' (ہائے مختفی) پر ختم ہونے والے فارسی الفاظ اور اردو کے 'ہ' سے لکھے جانے والے اسما اس ذیل میں آتے ہیں: حقّہ، ہفتہ، پیشہ، مہینہ، روپیہ، پیسہ، کشتہ، پشتہ، روزہ، روزمرہ، روزینہ، زینہ، پسینہ، بقچہ، پیالہ، صندوقچہ۔

(۲) جن اسما کے آخر میں "ـُو" ہے: نیبو، ستّو، چاقو، پلّو، گیسو، ٹیسو، تالو، بالو، آلو، پیڑو، پیلو، بازو، کاجو، رتالو، جادو، پہلو، نیبو، سینو۔

بنی نیبو سینو کی گلشن کی ہیں
ہے نئی نئی قطع ان کی تو گوٹ کی

ذیل کے الفاظ اس سے مستثنیٰ ہیں:

ترازو، آبرو، آرزو، دارو، خو، بو، جھاڑو، بہارو۔

(۳) اسما (مصادر) جن کے آخر میں 'پن' ہے: بڑپن، لڑکپن، نیاپن، چھوٹاپن، بھول پن، سیدھاپن، چِتّن۔

(۴) مصادر (اسما) جو "ـاو" پر ختم ہوتے ہیں: برتاو، بچاو، بناو، دباو، لگاو، تاو، اٹکاو، بچاو، سبھاو، الاو، بہاو۔

'ناو' کشتی کے معنوں میں مونث ہے۔

(۵) عربی الفاظ جن کے آخر کی "ۃ" وقف کی بنا پر "ہ" ہوگئی ہے: صفحہ، روضہ، واقعہ، مشاعرہ، محاکمہ، مجادلہ، مناظرہ، معاملہ، مرتبہ، مشغلہ۔

لیکن دفعہ، توبہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۳ ـــــ ذیل کے اسما مونث ہیں:

(۱) جن کے آخر میں "ـی" ہے: لکڑی، کوٹھی، کنجی، تالی، نالی، روٹی، ڈالی، ہڈی، سبزی، ڈیوڑھی، کشتی، بھرتی، زندگی، جستی، پائندگی، برتری، صراحی، چنبیلی۔

جن کی "ی" اصلی یا سنسکرت "ـِ" کے اتباع کی پیدائش ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے: جی، گھی، موتی، پانی، دہی[1]، ہاتھی۔

(۲) جن کے آخر میں "یا" (ـِیا) ہے: ڈبیا، بھجیا، ڈلیا، ٹھلیا، انگیا، چٹیا، چھالیا، گڑیا، بزریا، کھٹیا، کٹیا، نگیا، امبیا، کُتیا۔

لہ [illegible] (ق)

دھیا، ولیا، قلیا کے آخر میں "یا" نہیں "ا" ہے اور 'لعریا' کے آخر میں "ـِیا" فاعلی ہے، یہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

(۳) عربی مصادر:

(ل) جن کے آخر کی "ۃ" اردو میں "ت" لکھی جاتی ہے: رحمت، عنایت، محبت، ندامت، ہدایت، معاملت، خجالت، مصاحبت، تربیت، تقویت، شرکت، بدایت، نہایت

(ب) جو تین حرفوں پر مشتمل ہیں اور آخر میں "ا" آتا ہے: ادا، قضا، حیا، وفا، خیا، رضا، خطا، جفا۔

(۴) پراکرتی حاصل مصدر:

(ل) جو ـان، ـاس، ـت، وٹ (ہٹ) پر ختم ہوتے ہیں: اونچان، نیچان، تھکان، لگان، اُٹھان، مٹھاس، کھٹاس، پیاس، پھکاس، چلت، پھرت، بچت، بناوٹ، لگاوٹ، گھبراہٹ، سجاوٹ، نیلاہٹ۔

(ب) جو علامت مصدر یا اس کا الف گرانے سے بنے ہیں: لُوٹ، گھسوٹ، بھڑک، چوک، جھلک، پھونک، پھسلن، دھڑکن۔

۴ ـــــ جن اسما کے ماقبل آخر "ـِی" ہے وہ عموماً مونث بولے جاتے ہیں: کھیر، بھیڑ، چھیڑ، فیس، ریس، کھیس، جھیل، چیل، ڈھیل، سینک، سیل۔

تفعیل کے وزن پر عربی مصدر اس ذیل میں آتے ہیں: تقریر، تحریر، تصویر، تعبیر، تاخیر، تشکیل، تعمیل، تعجیل، تاویل، تقدیم۔

۵ ـــــ "ـِش" کے اضافے سے بنائے گئے حاصل مصدر بھی شاید اس لیے مونث ہیں کہ ان کے ماقبل آخر زیر ہے: خواہش، آرائش، آزمائش، پیمائش، گردش، پرورش، سوزش، بخشش، کوشش، ورزش، بارش، سفارش۔

۶ ـــــ جنس سماعی کی ایک قسم ان الفاظ پر مشتمل ہے جو کسی علامت تانیث کے حامل تھے، آج گھس پس کر علامت گم کر چکے ہیں۔ درج ذیل الفاظ کے آخر میں سنسکرت لاحقہ تانیث "ا" ہوا کرتا تھا: اون (اوڑنا)، کھاٹ (کھٹوا)، چھانو (چھپایا)، جانگھ (جنگھا)، جیبھ (جھوا)، نیند (ندرا)، راکھ (رکشا)، باگ (ولگا)، بات (وارتا)، سیج (شیتا)، سل (شلا)، سونڈ (سنڈا)، سانجھ (سندھیا)۔

۷ ـــــ دوسری قسم کا مدار لفظ کے مفہوم و معنیٰ پر ہے۔ اور جیسا کہ مولوی عبدالحق نے

لکھا ہے: "اردو میں عام طور سے بڑی، بھاری، قوی یا عظیم الشان اشیا پر دلالت کرنے والے اسما 'مذکر' اور چھوٹی، کمزور اور ہلکی پھلکی چیزوں پر دلالت کرنے والے اسما کو 'مونث' بولتے ہیں۔ فاختہ، ابابیل، بینا، مونث ہیں اور خرگوش، گدھ، لنگور مذکر۔"

۷۔۸ ـــــــ جنس سماعی کی تیسری قسم کا تعلق قیاس سے ہے۔ ایک لفظ کو دوسرے پر قیاس کرکے جنس کی تعیین کرتے اور لفظ کو مذکر یا مونث ٹھیراتے ہیں۔ مثلاً نزاع کو جھگڑے کے معنوں میں یا استعداد کو صلاحیت کے معنوں میں لے کر اور لغت کو ڈکشنری[1] پر قیاس کرکے اول الذکر کو مذکر اور آخر الذکر دونوں لفظوں کو مونث کہتے ہیں۔

قیاس کی بنیاد ترادف یعنی دو لفظوں کے ہم معنی یا قریب المعنی ہونے پر ہے۔ ایک لفظ مونث یا مذکر ہے، دوسرے لفظ کو جو اس کا ہم معنی ہے اس پر قیاس کرکے مذکر یا مونث بولتے ہیں۔ گاڑی کے معنوں میں ریل مونث ہے۔ مدرسہ کے معنوں میں اسکول مذکر۔ "گورنمنٹ" حکومت کے معنوں میں مونث ہے۔ آفس، دفتر کے معنوں میں مذکر۔ 'رات' مونث ہے، اس کے ہم معنی الفاظ: شب، لیل، رین سب مونث ہوئے۔ 'برس' مذکر تھا، سال بھی مذکر ہوا۔ 'شراب' مونث ہے، بادہ، مے، راوق، مدھ مونث ہوں گے۔

ہم صورت (اور کبھی کبھی ہم صوت) ہونے کی وجہ سے بھی ایک لفظ کو دوسرے پر قیاس کر لیا جاتا ہے۔ عربی، فارسی یا کسی اور زبان کا لفظ "ا" یا "ی" پر ختم ہو تو اردو کے "ا" والے الفاظ پر قیاس کرکے اسے مذکر اور "ی" والے الفاظ پر قیاس کرکے مونث بولیں گے۔ فیکلٹی اور یونیورسٹی مونث ہیں۔ سایا (لہنگا) اور کمرا مذکر۔ 'شاخ' کو مونث کہا گیا کہ ٹہنی یا ڈالی مونث تھی۔ کھیت کے قیاس پر ریت ہی مذکر نہیں، اس کے ہم صوت بید، وید، بھید، چھید بھی مذکر ہی ہیں۔

۷۔۹ ـــــــ نسبت کی بنا پر بھی الفاظ کو مذکر یا مونث ٹھیرایا گیا ہے۔ 'مہینہ' مذکر ہے، اس کے تعلق سے چیت، بیساکھ، مئی، جُون، رجب، شعبان والے مہینوں کے نام سب مذکر ہوئے۔

'دن' مذکر ہے، اس کی نسبت سے سنیچر، اتوار، پیر، منگل، بدھ، جمعہ ہفتے کے دن مذکر کہلائے۔ جمعرات 'رات' کی وجہ سے مونث ہے۔

لہ میرے خیال میں یہ "ڈِہنگ" کے زیرِ اثر ہے، کیونکہ لغت بمعنی لفظ مذکر ہے اور "ڈِہنگ" الفاظ پر مشتمل کتاب کے لیے مونث۔ اس کی تانیث میں کتاب کی تانیث کا بھی اثر معلوم ہوتا ہے۔ (ق)

'غلہ' مذکر ہے، غلوں کے نام بھی مذکر ہیں: گیہوں، جَو، مٹر، ارد، چنا۔

'دال' مونث ہے اور دالوں کے نام بھی: مسور، ارہر، مونگ۔

'زبان' مونث تھی، زبانوں کے نام بھی مونث قرار پائے: اردو، پنجابی، پشتو، فارسی، سنسکرت، پراکرت، تامل وغیرہ۔

نماز کی وجہ سے نمازوں کے نام مونث بولے جاتے ہیں: فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشا۔

'ہوا' مونث ہے، اس لیے پُروا، پچھوا، صبا، دَبُور[1]، نسیم، لُو، آندھی وغیرہ ہوا کی قسمیں مونث ہوئیں۔ 'بگولا' 'ا' کی وجہ سے مذکر ہے اور 'جھکڑ' علامتِ تکبیر کی وجہ سے۔

ستاروں کے نام مذکر ہیں: زحل، عطارد، مشتری، برہسپت، شکر۔

اور پہاڑوں کے نام بھی: ہندوکش، بندھیاچل، مسوری، شملہ، مری وغیرہ۔

۸۰ ـــــــ کچھ الفاظ ذو جنسین ہیں، مذکر بھی ہیں اور مونث بھی۔ بعض معنوں میں مذکر اور بعض دوسرے معنوں میں مونث:

آب : پانی کے معنوں میں مذکر اور چمک کے معنوں میں مونث۔

بیت : گھر کے معنوں میں مذکر اور شعر کے معنوں میں مونث۔

تال : تالاب کے معنوں میں مذکر، وزنِ موسیقی کے معنوں میں مونث۔

ترک : چھوڑنے کے معنی میں مذکر اور اس لفظ کے معنوں میں جو صفحے کے نیچے لکھا جاتا ہے، مونث[2]۔

چاند : بیٹے (یا قمر) کے معنوں میں مذکر، چندیا کے معنوں میں مونث۔

عرض : طول کی ضد مذکر، بمعنی التماس مونث۔

فصل : جدائی کے معنوں میں مذکر، موسم اور کتاب کے ایک حصے کے معنوں میں مونث۔

کف : جھاگ کے معنوں میں مذکر، ہتھیلی کے معنوں میں مونث۔

گزر : گزرنے کے معنوں میں مذکر اور گزر اوقات کے معنوں میں مونث۔

لگن : برتن کے معنوں میں مذکر، لگاؤ کے معنوں میں مونث۔

لہ دَبُور: پچھوا ہوا۔ یہ اردو میں عام نہیں۔ اس کے بجائے 'باد' 'پون' وغیرہ عام ہیں۔ (ق)

لہ یہ ان دونوں معنوں میں مذکر ہے۔ (ق)

؛ الف ممدودہ اور خفیانی آب کے معنوں میں مذکر، حساب یا شق کے معنوں میں مونث۔

مغرب ؛ جانے غروب کے معنی میں مذکر، وقت غروب کے معنوں میں مونث۔

نال ؛ ڈنڈی کے معنوں میں مونث، چوڑیوں میں ڈالے جانے والے چکر کے لیے مذکر۔[1]

۸۱ ــــــ مرکبات (یا ترکیبات) کی صورت میں اجزا پر نظر کی جائے گی۔ ایک جنس کے ہوں تو اجزا کے مطابق مذکر یا مونث ہوتا ہے۔

مونث ترکیبیں:

تراش خراش، قطع و برید، خرید و فروخت، دوڑ دھوپ، داد و دہش، آمد و رفت، مارپیٹ، ہار جیت، پکڑ دھکڑ، ساز باز، چال ڈھال، دھر پکڑ، چیخ و پکار۔

مذکر ترکیبیں:

رنگ و رُوپ، کام دھام، سوز و گداز، کاروبار، بندوبست، گھربار، طور طریق، رہن سہن، ساز و سامان، آب و دانہ، گل قند۔

ایک مذکر ہے دوسرا مونث، تو تذکیر و تانیث آخری جز کے لحاظ سے ہوگی۔

مذکر ترکیبیں:

عنایت نامہ، خلوت خانہ، کشت و خون، نماز روزہ، ناک کان، ناک نقشا، ڈھول دھپا، نان و نمک۔

مونث ترکیبیں:

آب ہوا، قلم دوات، آب و گل، خط کتابت، گھڑ دوڑ، سال گرہ، آبجو۔

۸۲ ــــــ ترکیب سے نئے معنی پیدا ہوں تو اجزا کو نظر انداز کر کے نئے معنوں کے لحاظ سے مرکب کو مذکر یا مونث قرار دیا جائے گا: "قلم رو" اور "دوپہر" مونث ہیں۔ جوتا ٹوپی دن رات، دھن دولت، حساب کتاب مذکر۔

---

[1] 'نال' معنی قلم تراشنے میں جو اس کے خول میں سے ریشہ نکلتا ہے یا نُرسل' مذکر ہے۔ اور ناف کے معنی میں مختلف فیہ یعنی مذکر و مونث دونوں طرح بولتے ہیں۔ چوڑیوں میں ڈالے جانے والے چکر کو 'نال' نہیں 'بال' کہتے ہیں جو پہیوں پر لوہے کا حلقہ چڑھایا جاتا ہے۔ اور اگر یہاں چوڑی سے مراد جُوتا ہے تو وہ 'نال' نہیں 'نعل' ہے جو ان کی ایڑیوں میں جڑا جاتا ہے۔ میرے خیال میں چوڑی سے مراد پہیوں کی جوڑی ہے۔ (ق)

جو روز ہے وہ طول میں گویا ہے روزِ حشر
برسوں سے دوپہر نہیں ڈھلتی ہے ہجر میں (ناسخ)

۸۳ ــــــ اخذ و اشتقاق کی صورت میں بان، بند، دان، ستان، سار، زار وغیرہ ظرفی لاحقوں والے کلمے مذکر ہیں: پاسبان، سینہ بند، کمربند، ازار بند، قلم دان، گلستان، بوستان، کوہسار، لالہ زار، گلزار۔ اور 'گاہ' والے کلمے مونث ہیں: درس گاہ، قیام گاہ، بندرگاہ۔

۸۴ ــــــ جو عربی الفاظ اُردو میں مونث ہیں عربی قاعدے سے ان کی جمع (ات کے اضافے سے بنی ہو یا کسی خاص وزن پر) مونث ہوگی اور جو مذکر ہیں ان کی جمع مذکر ہوگی، شے، مجلس، مسجد کی جمع اشیا، مجالس، مساجد مونث ہے۔ عمل اور فعل کی جمع اعمال اور افعال مذکر۔ ایجاد (مونث) کی جمع ایجادات مونث۔ اعتراف (مذکر) کی جمع اعترافات مذکر۔

وہ الفاظ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو علامت تانیث "ت" کی وجہ سے مونث تھے اور جب ان کی جمع بنی تو علامتِ تانیث باقی نہ رہی: معرفت، حقیقت، قوت کی جمع معارف، حقائق، قویٰ اردو میں مذکر ہیں۔ اس لیے نہیں کہ عربی ہیں اور عربی جمعیں مذکر ہوتی ہیں بلکہ اس لیے مذکر ہیں کہ ان کا انداز تذکیر کا ہے اور ان میں تانیث کی وہ علامت اب نہیں رہی جو واحد میں تھی۔

۸۵ ــــــ لفظوں کی تذکیر و تانیث متفقہ مسئلہ نہیں۔ اس میں اختلاف بھی دیکھا گیا ہے۔ زیادہ نہ سہی کچھ الفاظ ایسے ضرور ہیں جنھیں اہلِ زبان کا ایک طبقہ مذکر اور دوسرا مونث بولتا اور لکھتا ہے۔ اس اختلاف کو کریدا جائے اور اس کا علمی تجزیہ کیا جائے تو کسی حد تک اس کی توجیہ ہو سکتی ہے۔

اس اختلاف کی ایک بڑی وجہ تو عہد اور زمانے کا اختلاف ہے۔ آج سے پہلے ایک لفظ مذکر تھا آج مونث ہے۔ اس کے برخلاف پہلے مونث بولا جاتا تھا اب مذکر بولا جاتا ہے۔ حشر کو میرؔ نے مونث نظم کیا ہے:

خلق یکجا ہوئی کنارے پر
حشر برپا ہوئی کنارے پر

'خواب' ولیؔ کے یہاں مونث ہے:

خواب خوش آتی نہیں ہے شب کو تجھ بن اے صنم
جب سوں دیکھے ہیں تری تصویر یاراں الغیاث

آج یہ دونوں لفظ باتفاق مذکر ہیں۔

سانس میرؔ کی زبان پر مونث تھا۔ ظفرؔ نے بھی مونث ہی نظم کیا ہے اور ذوقؔ نے بھی:

ہمیشہ چپ ہی رہے ہم کبھی جو ٹھنڈی سانس
بھری بھی ہم نے تو ہو کر تنگ جاں سے بھری

کیا آئے تم جو آئے گھڑی دو گھڑی کے بعد
سینے میں ہوگی سانس اڑی دو گھڑی کے بعد

لیکن داغؔ کہتے ہیں: میں نے جب سے ہوش سنبھالا سانس کا لفظ دہلی میں مذکر ہی بولتے سنا ہے[1]

"بلا" اور "برسات" کو بھی میرؔ مذکر لکھتے ہیں:

رہتا نہیں تڑپنے سے ٹک ہاتھ کے تلے
کیا جانے میرؔ دل کو مرے کیا بلا ہوا

ہم کو درپیش تھا سفر آیا　　جب کہ برسات سر ہی پر آیا

آج یہ الفاظ مونث ہیں۔ "ایما" مذکر ہے، میرؔ کے یہاں مونث بندھا ہے:

بعد ازاں ایما سے ابرو کی کہ جاں
صحن ہی میں سے ہوا وہ مدح خواں

دوسری وجہ اختلافِ قیاس و معنی سمجھیے۔ ایک لفظ خاص معنوں میں یا خاص لفظ کے قیاس پر مذکر یا مونث بولا جاتا ہے۔ "نزاع" کو بحث کے معنوں میں اہلِ لغت نے مونث لکھا تھا۔ اہلِ دہلی جھگڑے کے معنی لے کر مذکر بولتے ہیں۔ سانس کو بھی اس ذیل میں رکھ سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ آہ کے معنوں میں مونث اور دم کے معنوں میں مذکر ہے۔ "گریز" جھگڑے کے معنوں میں مونث ہے:

عشق جب وارد ہوا کی عقل نے دل سے گریز　　(ناسخؔ)

اجتناب اور پرہیز کے قیاس پر مذکر:

جس سے گریز تھا مجھے اب ہے اُسی کا اشتیاق　　(رشکؔ)

"طرز" کے معنی طور و اسلوب لیں تو مذکر:

اے بحرؔ غزل کہی جو تم نے
پر طرز کلام میرؔ کا ہے　　(بحرؔ)

روش کے معنی لیں تو مونث:

---

[1] "سانس" کی تذکیر میں لکھنؤ کا اثر کارفرما ہوا، ورنہ دہلی اور نواحِ دہلی میں یہ مونث تھا اور اب بھی محتاط حضرات مونث ہی بولتے اور لکھتے ہیں؛ اس لیے دونوں طرح جائز ہے۔ (ق)

کیا جانیں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میرؔ کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں ایہام بھی نہیں　　(میرؔ)

مرزا داغؔ کا ارشاد ہے "طرز" مونث ہے مذکر ہرگز نہیں۔

٨٦ ——— لفظ کی ظاہری بناوٹ اور شکل و شباہت سے فریب کھا کر بھی اہلِ زبان نے لفظ کی جنس میں اختلاف کیا ہے اور ایک ہی لفظ کو بعضوں نے مذکر اور بعضوں نے مونث سمجھا ہے۔ اردو میں "ا" تذکیر کی نشانی ہے اور سنسکرت میں تانیث کی۔ اہلِ لکھنؤ "پوجا" اور "مالا" وغیرہ سنسکرتی الفاظ کو اردو سمجھ کر مذکر بولتے ہیں جب کہ یہ الفاظ مونث ہیں اور ان کا "الف" تانیث کا ہے۔ اس کے برعکس "انشا" لکھنؤ میں مونث تھا لیکن دہلی اور اس کے نواح میں مذکر ہے شاید اس لیے کہ اس کے آخر میں الف ہے۔ ساختِ پر جن کی نظر تھی انھوں نے اس کو مذکر کہا:

عالمِ وحشت میں جب تھا کوئی خط فراق
ربط بگڑا میرے انشا کا غلط املا ہوا

جو اس کے معنی پر نظر رکھتے تھے وہ مونث کہا گیے:

خامۂ جاناں سے یا لکھا مری تحدید کا
خط کی انشا اور ہے لکھنے کی املا اور ہے

"ہ" اُردو میں الف کے حکم میں ہے اور الف کی طرح تذکیر کی علامت ہے۔ شاید اس لیے "پنبہ" مذکر ہوا:

کون کہتا ہے نہیں گرمیِ صحبت میں اثر
جل اُٹھا پنبہ شرر سے جو ہم آغوش ہوا

بعض ادب دوستوں نے "روئی" کے قیاس پر مونث لکھا ہے۔ "بہا" کے معنی ہیں قیمت، اسے مونث ہونا چاہیے۔ یاسؔ نے مونث ہی نظم کیا تھا:

رو نہ اے چشم یہ اشکوں کو بہا دیتی ہے
دے کے یہ گوہرِ شہوار بہا لیتی ہے

لیکن آتشؔ شاید الف پر نظر کر کے مذکر بتاتے ہیں۔ "فاتحہ" کو "ہ" کی بنا پر مذکر کہا گیا:

پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہو گا

لیکن یہ دُعا کے معنوں میں ہے اور مونث ہے:

رو کر کہا زینب نے بہن ہو گئی وا دی
میں جیتی ہوں اور فاتحہ ہوتی ہے تمھاری　　(انیسؔ)

"خستہ" کو اہلِ لکھنؤ شاید اسی لیے مذکر بولتے ہیں کہ اس کے آخر میں "ہ" ہے۔" دہی" کی "ی" ویسی ہی ہے جیسی "گھی" کی۔ لیکن بعض لوگ یائے تانیث سمجھ کر دہی کو مونث بتاتے ہیں۔ "موتی" انشا کے نزدیک "ی" کی وجہ سے مونث ہے۔ اس کی تذکیر کو وہ شہرت پر مبنی اور شاذ بتاتے ہیں "موتی بمعنی گوہر قیاسی و تذکیر آں بسبب شہرت شاذ است۔" (دریائے لطافت، ص ۲۱۸)

۸۷ ـــــ ایک خاصی بڑی تعداد اردو میں ایسے الفاظ کی بھی ہے جو بعض علاقوں میں مذکر اور بعض دوسرے علاقوں میں مونث ہیں اور ان کے اس جنسی اختلاف کی اس کے سوا کوئی وجہ نہیں کہ ان پر ان علاقوں کی چھاپ ہے۔ خاص ماحول اور معاشرے کے زیر اثر یہ مذکر یا مونث قرار پائے۔ "لفظ" لکھنؤ میں مونث ہے۔ "برس" ویسے تو مذکر ہے لیکن مونث کے قیاس پر "برسیں" جمع بنا کر "اہلِ لکھنؤ" اسے مونث بولتے اور "برسیں ہوگئیں" کہتے ہیں۔ "آواز" روہیل کھنڈ (خاص طور پر رامپور میں) مذکر بولا جاتا ہے۔ ویرانے کے معنوں میں "تکرار" باتفاق مونث ہے۔ مولوی عبدالحق نے مذکر لکھا ہے۔

لفظی تذکیر و تانیث میں منطق کی سی باقاعدگی نہیں اس لیے ہر اختلاف یا جنسی ناہمواری کی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً حروف تہجی کے اسما کو لیجیے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ دال، ڈال، ذال، طوے، ظوے مونث ہیں، سین، شین، صاد، ضاد، عین، غین، قاف، کاف، لام، نون، واو مذکر۔ اور جیم، میم مختلف فیہ۔

علاماتِ تانیث "ی" اور "نی" براہِ راست سنسکرت "ی" اور "انی" سے اخذ کی گئی ہیں۔ رہا "ن" سو وہ بھی "انی" کی تخفیف کا نتیجہ ہے۔

عدد

۸۸ ـــــ کلر کی قواعد کے اعتبار سے ایک فرد پر یا ایک سے زیادہ افراد پر دلالت عدد یا تعداد ہے۔[1] اردو میں واحد اور جمع عدد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فرد پر دلالت کرے تو واحد۔ ایک سے زیادہ افراد پر دلالت کرے تو جمع۔ عورت واحد، عورتیں جمع۔ گھوڑا واحد، گھوڑے جمع۔

"عدد" انگریزی لفظ "NUMBER" کا ترجمہ ہے۔ سنسکرت میں "وچن" کہتے ہیں۔ عربی اور سنسکرت وغیرہ سامی اور آریائی زبانوں میں واحد اور جمع کے علاوہ عدد کی ایک قسم "تثنیہ" بھی ہے جو دو افراد پر دلالت کرتا ہے۔ سادگی اور سہل انگاری کے عام رجحان کے پیشِ نظر اردو کی طرح بیشتر جدید آریائی زبانیں تثنیہ کو "انتظ" کر چکی ہیں۔

۸۹ ـــــ قدیم اردو (اور دکنی) میں مذکر یا مونث ہر اسم کی جس کے آخر میں "ا" یا "ہ" نہ ہو، بلا امتیاز (قائم و محرف) "اں" کے اضافے سے جمع بنائی جاتی تھی۔ جیسے: مائی سے مایاں،[2] بھائی سے بھایاں، دھال سے دھالاں، بات سے باتاں، حکمت سے حکمتاں، عورت سے عورتاں۔

سنے یو بات مایاں ہور بھایاں	(پھول بن)
جگت کوں کے ستاتا نہیں پایا تاں	(")
دھالاں کرتیاں گھر گھر پھیرت ہیں	(بارہ ماسہ افضل)
عجب چالیں بھریاں ہیں عورتاں یو	
نہ جانوں کاں نے سکیاں حکمتاں یو	(سب رس)

"اں" کو سنسکرت بے جنس اسما کے لاحقہ "انِ" سے ماخوذ بتایا جاتا ہے لیکن اس پر فارسی لاحقہ جمع "اں" کا گہرا اثر بھی ہے۔ جمع کا یہ قاعدہ پنجابی کے علاوہ راجستھانی میں بھی ہے۔

---

[1] بعض زبانوں میں تین کے لیے جداگانہ صیغہ ہے اور بعض زبانوں میں چار کے لیے بھی۔ کچھ زبانیں ایسی بھی ہیں جن میں عدد کے لیے صیغے میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔

[2] اصل میں "بھائیاں" اور "مائیاں" تھا۔

تاهم اور غیرہ اسم کی دو حالتیں ہیں (ان کا ذکر آئندہ سطروں میں کیا جائے گا)۔ مغیرہ حالت میں اسم کے بعد 'نے' 'سے' 'پر' وغیرہ میں سے کوئی حرف لگتا ہے۔ تاہم حالت میں ان میں کا کوئی حرف نہیں ہوتا۔ آج اردو میں حالت اور جنس کے پیش نظر اسم کی جمع بنائی جاتی ہے۔

۹۰ ـــــــ اسم مذکر کے آخر میں الف زائد (یا ہائے مختفی) نہ ہو تو واحد اور جمع دونوں صورتوں میں وہ یکساں رہے گا: مرد آیا، مرد آئے، لڈو کھایا، لڈو کھائے۔

اس نے دروازہ کیا تھا بند اگرچہ تیر آہ
سیکڑوں روزن بنائے تھے در و دیوار میں (وزیر)

دانا، شناسا، دریا، راجا، چچا، تایا وغیرہ الفاظ کا الف اصل ہے اس لیے ان کی جمع ان کے واحد سے مختلف نہ ہوگی۔

پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے (انیس)

لیکن بعض صورتوں میں کثرت استعمال سے اور قدیم دکن میں مرہٹی کے زیر اثر ان کے 'ا' کو 'ے' سے بدلا گیا ہے: راجے، مہاراجے، چچا تائے۔

راجے راکھی گرد بلادے (خدا نامہ)

۹۱ ـــــــ جن مذکر اسما کے آخر میں الف زائد (یا ہائے مختفی) ہے ان کے 'ا' یا 'ہ' کو 'ے' سے بدل دیا جائے گا: گھوڑا، گھوڑے، پُرزہ، پُرزے، قلعہ، قلعے، مصرعہ، مصرعے، وقفہ، وقفے، نامہ، نامے، نالہ، نالے۔

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا (غالب)

قدیم اردو (اور دکنی) میں بھی الف زائد کو 'ے' سے بدلا گیا ہے:

راکھ رانے انگیاں کی بوٹ ہیں
رنگ بوٹاں ہیں مے عناب است (قلی قطب)

جیوں حافظ بولیا ہے۔ دل کے گھر کے دروازے کھولیا ہے۔ (سب رس)

'ے' براہ راست سنسکرت اسما عامہ کے لاحقہ جمع 'ے' سے اخذ کی گئی ہے۔

۹۲ ـــــــ آخر میں 'ں' (غنہ) اور اس سے پہلے الف ہو تو حسب قاعدہ الف 'ے' سے بدل جائے گا۔

واحد	جمع
رُواں	رُوئیں

کُنواں	کُنویں
دُھواں	دُھویں
سُواں (بڑی سُوئی)	سُویں

اور اگر آخر میں 'ع' ہے تو 'ع' کو برقرار رکھتے ہوئے 'ے' اضافہ کی جائے گی:[1]

بُرقع	بُرقعے
ضلع	ضلعے
نفع	نفعے

۹۳ ـــــــ مؤنث چار صورتیں ہیں:

(۱) حرف صحیح (یا 'و' 'ی') پر ختم ہو تو 'یں' اضافہ کریں گے (کلمے کی 'ے' ہمزہ سے بدل جائے گی): ناو سے ناویں، عورت سے عورتیں، گائے سے گائیں، رائے سے رائیں۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں (غالب)

بسر رفاقت حیدر میں اس نے راتیں کیں
نڈر تھی ایسی کہ شیر خدا سے باتیں کیں

سودا کو خطاب کرکے کسی نے کہا تھا:

تم اپنے پیل معنی کو نکالو
مرے ہاتھی سے دو ٹکر لڑا لو

انشا نے اس پر اعتراض کیا ہے:

"دو ٹکر صحت ندارد، دو ٹکریں مے باید" (دریائے لطافت۔ ص ۲۱۳)

(۲) 'ی' (یا 'یا') پر ختم نہ ہو تو 'اں' اضافہ ہوگا (اور 'یا' کا الف گر جائے گا): چوڑی سے چوڑیاں، چڑیا سے چڑیاں، پری سے پریاں، لُٹیا سے لُٹیاں۔

عجب نہیں گر چڑیاں سب بال کو جھاڑویں (پھول بن)
جلیں گے جہنم میں لکڑیاں ہمن (نجات نامہ)

---

[1] صحیح صورت یہ ہے ماقبل 'ع' کے فتحہ ہو تو اس فتحہ کو زیر سے بدل دیا جاتا ہے، البتہ بعض حضرات 'مصرع' کو بطور جمع 'مصرعے' لکھتے ہیں تو وہ 'مصرعہ' کی جمع ہے 'مصرع' کی نہیں۔ (ق)

باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی (امیرؔ)

دیا شنکر نسیمؔ کے اس شعر ہیں:

دیکھا تو سب اس کے جوڑ کی تھیں
اِندر کے اکھاڑے کی پری تھیں

'پری' کی جگہ 'پریاں' چاہیے۔

(۳) 'ے ا' 'ہ' 'ئیا' پر ختم ہوں تو 'ئیں' بڑھائیں گے: لو سے لوئیں، مالا سے مالائیں، دُنیا سے دُنیائیں، جفا سے جفائیں، جورو سے جوروئیں، فاختہ سے فاختائیں۔

زمانے میں ہیں یادگارِ زمانہ
وفائیں ہماری جفائیں تمھاری

'ان' تو سنسکرت 'ے ان' سے لیا ہی گیا ہے جیسا کہ یہاں کہا گیا ہے۔ 'ـیں' اور 'ئیں' بھی 'ـِ ان' ہی کی منحوت اور تبدیل شکلیں ہیں۔ ے ان = ے ائیں = ـیں۔

(۴) 'ں' غنہ پر ختم ہوں تو ئیں (جب اس سے پہلے 'ا' یا 'و' ہو) یا 'ـیں' (جب اس سے پہلے 'و' ہو) بڑھائیں گے۔

واحد	جمع
خزاں	خزائیں
ماں	مائیں
جُوں	جُوئیں
بھوں	بھویں

۹۴ ــــ صفت اور حالیہ مونث کی جمع جس کے آخر میں 'ی' ہے 'ں' (غنہ) کے اضافے سے بنتی ہے: کُھلی سے کُھلیں، جلی سے جلیں، اچھی سے اچھیں، بری سے بریں۔

محرف حالت میں بلا امتیاز تذکیر و تانیث اسم کی جمع 'ـوں' کے اضافے سے بنتی ہے:

(i) حرف صحیح اور 'ی' پر ختم ہونے والے اسما پر کسی تصرّف کے بغیر: مردوں نے، گھروں میں، عورتوں سے، مالیوں کی، قاضیوں سے۔

(ii) الف زائد اور ہائے مختفی پر ختم ہونے والے اسما پر 'الف' یا 'ہ' گرانے کے بعد: لڑکوں نے، پردوں میں، ہفتوں سے، مہینوں تک۔

(iii) نون غنہ پر ختم ہونے والے الفاظ پر 'ں' گرا کر: کنوؤں سے، ماؤں نے، جوؤں سے، خزاؤں میں۔

(iv) واؤ پر ختم ہونے والے کلموں پر 'و' کو ہمزہ سے بدل کر: ہندوؤں نے، جوروؤں سے، آرزوؤں میں۔

(v) الف اصلی پر ختم ہونے والے الفاظ (خواہ وہ 'ں' گرانے کے بعد ہی کیوں نہ بنے ہوں) الف کے بعد ہمزہ بڑھا کر (جو 'ـوں' کی حرکت کا قائم مقام ہے): راجاؤں، ملاؤں، دریاؤں، ماؤں، خزاؤں۔

'ـوں' سنسکرت لاحقۂ اضافت 'ے ا ں م' سے ڈھالا گیا ہے اور جیسا کہ جان بیمز نے لکھا ہے 'ن' گر جانے کی وجہ سے 'ا' کو 'ـو' کی شکل دے دی گئی۔ گویا 'ـو' 'ن' کا قائم مقام ہے۔ قدیم دکنی میں بھی 'ـوں' استعمال ہوا ہے لیکن ندرت کے ساتھ۔

بھوت دنوں کے بعد (کہانی نوسرہار)
چھ بیٹوں کے تیر سلے (کہانی اندر باشا زادی)

۹۵ ــــ فارسی لاحقات جمع 'ہا' 'ان' 'گان' (ہ + ان[1]) بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ تنہا کمتر ترکیب میں بیشتر۔ جیسے: ہزارہا

ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں (آتشؔ)

مردماں، وارفتگاں، عشق پیشگاں، صاحبانِ ہوش، اہالیانِ (اہالی + ان) شہر۔

۹۶ ــــ عربی تثنیہ کی جری حالت اسم پر 'ـین' لگانے سے بنتی ہے۔ اُردو میں یہ بھی عام ہے۔ جیسے: جانبین، فریقین، والدین، طرفین، مغربین، نعلین۔

اور مونث سالم اور مذکر سالم کی جری حالت بھی۔ مونث سالم میں اسم پر (آخر سے 'ہ' گرا کر) 'ـات' بڑھاتے ہیں۔ جیسے: علامات، خدمات، عادات، حرکات، عنایات، کرامات، حالات، مستورات۔

'ـات' فارسی کلمات پر بھی اضافہ ہوا ہے، جیسے: سفارشات، نگارشات، فرمائشات، کاغذات۔

اور اگر آخر میں 'ہ' ہو تو 'ہ' کی جگہ یا اس کے بعد 'ج' بڑھا کر 'ات' لگاتے ہیں: پروانہ جات، نقشہ جات، حلوہ جات، پرزہ جات۔

---

[1] اس کی مثال نہیں دی گئی۔ یہ اردو تو درکنار فارسی میں بھی نہیں ہے۔ دراصل آخری 'ہائے مختفی' کو 'گ' سے بدل کر 'ان' جمع کا لگاتے ہیں۔ یہاں وضاحت اس طرح ہونی چاہیے تھی ('گ' بدل 'ہ' کا + ان)۔ (اق)

"مختلف قسم کے حلوہ جات، پھل پکوان پڑے پڑے رہتے تھے۔" (گناہ کا خوف)

"شکر و سمنٹ سازی کی مشینیں اور پرزہ جات بھی تیار ہو رہے ہیں۔" (رسالہ کاریگر)

برنامجات (برنامہ + ات[1]) کشتہ جات، میوہ جات۔

ں (غنہ) کے بعد بھی جات بڑھاتے ہیں۔ جیسے بیرونجات۔

"بیرونجات کی بولی ہے۔" (غالب)

جمع مذکر سالم کی جری حالت "ین" لگا کر بنائی جاتی ہے۔ جیسے: متقدمین، متاخرین، صالحین، مومنین، مسلمین، متوسلین۔

۹۷ ـــــ جمع مکسر کے جو اوزان اردو میں عام ہیں ان میں سے صرف چند کا جو کثیر الاستعمال بھی ہیں یہاں ذکر کیا جا سکتا ہے:

اَفعال	:	اَبرار، اَعلام، اَقسام، اَوزان، اَعمال، اَخبار۔
فُعول	:	اُمور، اُصول، وُجوہ، فُتوح، عُیوب۔
مَفاعل	:	محاسن، محامد، محافل، مدارج، مشاغل۔
فَواعل	:	سوانح، سواحل، دوائر، جواہر، طوائف۔
فُعَلاء	:	شُعرا، قدما، فصحا، بُلغا، علما۔
فُعّال	:	عُشّاق، طُلّاب، تجّار، عمّال، عبّاد۔
فُعُل	:	کُتُب، سُبُل، رُسُل، مدن، سُنَن۔
فِعال	:	ریاح، ریاض، جبال، نکات۔
اَفعُل	:	اَنفُس، اَعیُن، اَلسُن، اَرجُل۔
اَفعِلاء	:	اولیاء، انبیاء، اتقیاء، اقرباء، اعزاء۔

---

[1] برنامہ بحذف 'ہ' + جات۔ (ق)

[2] اردو میں یہ دونوں لفظ مضموم الاول نہیں بلکہ مفتوح الاول مروج ہیں اس لیے یہ اردو کا تصرف مانا جائے گا۔ (ق)

حالت

۹۸ ـــــ قائم اور محرف اسم کی دو حالتیں ہیں۔ قائم حالت میں 'نے' سے 'پر'، 'کا'، 'کو'، 'میں'، تک۔ مغیرہ کلموں میں سے کوئی کلمہ اسم کے بعد نہیں آتا اور نہ اسے پکارا ہی جاتا ہے۔ محرف حالت میں اسم کا پکارا جانا یا اس کے بعد ان کلموں میں سے کسی کلمے کا آنا ضروری ہے۔

"گھوڑا دوڑا" اس مثال میں گھوڑا قائم حالت میں ہے۔ "گھوڑے نے گھاس کھائی" اس میں "گھوڑے" مغیرہ حالت میں ہے۔

انگریزی میں قائم کو "NOMINATIVE" کہتے ہیں۔ محرف جسے مغیرہ بھی کہا گیا ہے۔ OBLIQUE کا ترجمہ ہے۔ قائم کو فاعل بھی کہہ سکتے ہیں۔

سنسکرت میں اسم کی آٹھ حالتیں ہیں۔ فاعلی، مفعولی، مفعولی ثانوی، آلی، مجروری، اضافی، ظرفی، ندائی۔ یہ آٹھ حالتیں اردو میں بھی ہیں لیکن معنی اور مفہوم کی حد تک سنسکرت کی طرح اردو میں ان آٹھ حالتوں کی وجہ سے کسی لفظ میں آٹھ تغیرات نہیں ہوتے۔ فاعلی حالت میں تو سرے سے کوئی تغیر ہوتا ہی نہیں اس لیے اسے قائم کہتے ہیں۔ بقیہ سات حالتوں میں صرف اس وقت جب اسم کے آخر میں الف یا اس کا ہم آواز حرف ہ، ح یا ع ہو، تغیر ہوتا ہے جس کے پیش نظر ایک حالت قرار دے کر اسے محرف یا مغیرہ کہا جاتا ہے۔ مغیرہ حالت کو اس لحاظ سے سنسکرت کی سات مختلف حالتوں کا مجموعہ اور ان کا قائم مقام سمجھیے۔ قدیم فرانسیسی اور قدیم پرووِنشل زبانوں کی طرح اردو میں اسم کی محرف حالت کو فاعلی حالت کے بالمقابل ایک منفرد صیغے (SINGLE FORM) کا درجہ حاصل ہے۔

۹۹ ـــــ اسم کے آخر میں ہ، ح یا ع میں سے کوئی حرف آئے اور اس سے پہلے زبر ہو تو محرف حالت [illegible] زیر [illegible] ہے [illegible] کے سوا کوئی تغیر نہ ہوگا [illegible]

[illegible] اردو میں [illegible] اس ذیل میں [illegible]

[illegible] سے کھانا نہیں کھایا۔ صلح میں [illegible]

حاکم کون ہے۔ اسلام میں خُلع کی اجازت ہے۔ بُرقع سے آنکھیں نظر آتی تھیں۔

فارسی کلموں کا بھی جو اصل 'ہ' پر ختم ہوتے ہیں یہی حکم ہے۔ جیسے:

اِس زرہ میں کتنی کڑیاں ہیں۔

۱۰۰ —— جن اسما کے آخر میں الف زائد یا ہائے مختفی ہے محرف حالت میں ان کے الف یا 'ہ' کو 'ے' سے بدل دیں گے۔

قائم	محرف
گھوڑا	گھوڑے (نے)
بندہ	بندے (سے)
صفحہ	صفحے (پر)
قلعہ	قلعے (میں)
مصرعہ	مصرعے (کو)
مکّہ	مکّے
مدینہ	مدینے
کلکتہ	کلکتے

مؤذن مرحبا بر وقت بولا
تری آواز مکّے اور مدینے (ذوقؔ)

کلکتے کا جو ذکر کیا تُو نے ہم نشیں
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے (غالبؔ)

محرف حالت میں صرف وہ اسما بدلتے ہیں جو:

(i) براہِ راست سنسکرت سے کسی قدر تغیّر کے بعد اردو میں آئے اور جن کا لاحقہ فاعل کا قائم مقام ہے۔

(ii) ہندی الاصل یعنی دیسی ہیں۔

(iii) اور مذکر ہیں۔

ان اسما کو اس حکم سے خارج سمجھیے جو سنسکرتی یعنی تت سم نہیں یا جن کا الف اصلی ہے۔ جیسے: راجا، پرجا، پوجا، پتا، پرارتھنا، چھپا، یاترا، رتنا، دادا، چچا، متھرا، گیا، نربدا، رمنا، گھاگھرا، ہمالیا، بلیا، کالکا۔

(i) جن کا الف تانیث کا ہے۔ جیسے: ابلا، رمبھا، بھدرا، سبھا، جمنا، گنگا۔

(ii) جن کے آخر میں 'یا' (۔یا) تصغیر کا ہے[1]۔ جیسے: ٹلیا، کتیا، بچھیا، کٹیا، ٹکیا، چڑیا، چوہیا، ڈبیا، ٹھلیا، بڑھیا[2]۔

(iv) جن کا الف ('ہ') کلمے کا جز بن چکا ہے۔ جیسے: چھدا، بشیرا، چھنگا، گھسیٹا، مسیتا، شفیعا[3]۔

اس کے علاوہ وہ عربی و فارسی الفاظ بھی اس قاعدے سے خارج ہوں گے:

(i) جو اردو میں مونث ہیں۔ جیسے: فاطمہ، سارا، طاہرہ، صغریٰ، زہرہ، نعیمہ، لیلیٰ، زچہ، بیوہ، بوا، روا، دایہ، سزا، حیا، وفا، جفا، شفا، ضیا، رضا، انتہا، اشتہا، التجا، تمنا، بینا۔

(ii) جن کے آخر میں الف (یا 'ہ') اصلی ہے۔ جیسے: رسوا، دانا، چیتا، آغا، آقا، دریا، بخارا، امریکا، ایشیا، افریقا، خواجہ، مرزا، مولانا، ہما، سہا، موسیٰ، عیسیٰ، مسیحا، مرتضیٰ، مصطفیٰ، ملا، نشا، کرنا۔

(iii) جن کے آخر میں الف ممدودہ ہے[4]۔ جیسے اجراء، اخفاء، افتراء، اقتداء، استغناء، استہزاء، ایماء، افشاء، الحمراء، الزہراء، صحراء، بطحاء، صفاء، سناء، متکاء، ارتقاء[5]۔

لیکن وہ الفاظ جو رچ بچ کر اردو ہو گئے ہیں، تدبھو الفاظ پر قیاس کر کے گردانے جائیں گے۔ جیسے: تقاضا، تقویٰ، استغفا۔

غالبؔ کے زمانے تک "تقاضا" اردو میں رچ بچ نہیں سکا تھا اس لیے گردانا نہیں گیا:

دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے
ہمیں دماغ کہاں حُسن کے تقاضا کا (غالبؔ)

۱۰۱ —— فارسی یا عربی الفاظ جو ترکیب میں استعمال ہوں عموماً محرف حالت میں کوئی

---

[1] بنیا، گڈریا وغیرہ اسما کا 'یا' کلمے کا جز ہے اس لیے اس کو گردانا جاتا ہے۔

[2] بندیا، جیا، بجیا، بچھیا، سکھیا، منگیا، چیتیا وغیرہ بھی اسی ذیل میں آتے ہیں (ق)۔

[3] ان میں الف تصغیر کا ہے اور یہ بمنزلہ علم (عرف) ہیں۔ اسی ذیل میں کلو، للوا، کمو، ننھو، ولیسا، شیرا وغیرہ بھی خیال کیجیے۔ (ق)

[4] ان اسما اور مصادر کے آخر میں ہمزہ نہیں لکھا جاتا۔

[5] اردو میں جب تنہا آتے ہیں ہمزہ نہیں لکھتے لیکن مرکب اضافی و توصیفی کی حالت میں ہمزہ لکھتے ہیں۔ اخفائے حال (اخفاءِ حال) (ق)

تغیر قبول نہیں کرتے۔ جیسے: جوہرِ آئینہ، حسنِ تقاضا، تیزیِ اندیشہ، دل دریدہ، امیرِ قافلہ۔ لیکن بُت خانہ، صنم کدہ، دارالمطالعہ قسم کے الفاظ اردو میں کثرت سے برتے جانے کے باعث اردو ہو گئے ہیں۔ ان میں تغیر کیا جا سکے گا۔

۱۰۲ ـــــ جن مذکر اسما کے آخر میں 'ں' (غنہ) اور اس کے پہلے الف ہے ان کا الف بھی 'ے' سے بدل جائے گا:

قائم	محرف
دُھواں	دھویں (سے)
کنواں	کنویں (میں)
رُواں	رُویں (تک)

لت محرف کی 'ے' سنسکرت ظرفی لاحقے "ے سمن" سے درج ذیل تبدیلیوں کے بعد وجود میں آئی: ے سن = ے سی = ائی = ے

اسمائے مطلقہ

۱۰۳ ـــــ اسم مطلق بطریق تبادل ہر اسم پر بولا جاتا ہے۔ عربی میں اسے 'مبہم' کہتے ہیں۔ اس کے احکام ایک حد تک اسم تابع کے احکام سے مختلف ہیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ اسم مطلق (سنسکرت 'سرونام') کی پانچ قسمیں ہیں[1]: ضمیر، اسم اشارہ، موصول، کنایات، اعداد۔

۱۰۴ ـــــ ضمیر اسم کی قائم مقام ہے اور اسم کی جگہ استعمال میں آتی ہے۔ متکلم، حاضر، غائب، ضمیر کی تین قسمیں ہیں۔ متکلم بات کرنے والے کی ذات کے لیے ہے۔ حاضر مخاطب کے لیے جس سے ہم کلام ہوں۔ غائب متکلم اور مخاطب کو چھوڑ کر ہر ایک کے لیے۔ واحد اور جمع کا فرق ضمیر میں آج بھی ہے۔ واحد کے لیے الگ ضمیر ہے اور جمع کے لیے الگ۔ لیکن تذکیر و تانیث یعنی جنس کا فرق ضمیر میں پراکرت میں تھا، اب مٹ چکا ہے۔

۱۰۵ ـــــ 'میں' واحد متکلم کے لیے ہے اور 'ہم' جمع متکلم کے لیے۔ میں فاعل اور ان دو حالتوں کا قائم مقام سمجھیے۔

میں مقصد فتنہ محشر ہوا ہے (غالب)

یہ فاعلی حالت ہے۔

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی (غالب)

یہ آلی[2] حالت ہے۔ قدیم اردو (یعنی دکنی میں) 'میں' حرف فاعل کے بغیر تھا:

---

[1] ظروف کو میں نے اس سے خارج کر دیا ہے۔ وہ متعلق فعل کے ذیل میں آ جاتے ہیں۔

[2] یہاں در اصل فاعل کی قسمیں بیان کی جائیں تو مناسب تھا۔ ایک فاعل مطلق ہے کہ جو در واثر فعل اس کی ذات سے وابستہ رہتا ہے۔ دوسرا فاعل معنوی ہے کہ اس کے فعل کا صدور اسی کی ذات سے متعلق ہوتا ہے لیکن اثر فعل اور پر مترتب ہوتا ہے یا اپنے غیر پر اثر انداز ہوتا ہے (ق)

میں بھی تو عاشق ہُوں ترا کرکے کرم کر سرفراز (ہاشمی)

"ہم" قائم اور محرف دونوں کے لیے ہے۔

صدقے دن کی اُمت ہم تم زبان آکھن سکے نا جگ (قلی قطب شاہ)

لیکن جمعیت ظاہر کرنے یا اس پر زور دینے کے لیے قدیم اردو میں "ن" "یا" "نا" اضافہ کرکے "ہم کو" "ہمن" یا "ہمنا" کہا جاتا تھا۔ شمال میں بھی اور دکن میں بھی۔

ہمنا تمن کو دل دیا تم دل لیا اور دکھ دیا (سعدی کاکوری)

خدانے کس شہر اندر ہمن کو لائے ڈالا ہے (شہد زنجانی عربی)

ہمن جیو دے ہم پچھانے نہ اس (گلشن عشق)

ہمارے گن کو دیکھے سو ہمنا دیکھے (سب رس)

ہمن کیا جو ہمنا کے کچھ ہوسے بات (گلشن عشق)

حق کی حقائق کی بوج سب تو ہمن کوں کہاں (علی عادل شاہ)

ہمن میں تو نہیں نیک و بد کی تمیز (گلشن عشق)

"ہمن"[1] اور "ہمنا" یہاں مختلف حالتوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ کہیں مغیرہ کے ساتھ مثلاً "ہمنا تے"، "ہمن کوں"، "ہمن میں" اور کہیں مغیرہ کے بغیر۔ جیسے: ہمنا (ہم نے) تمن کو، ہمن جیو (ہمارا جیو)، ہمنا (ہم کو) دے کے۔

"ن" (لاحقہ جمع) برج میں بھی ہے (سب سے سبن) اور اغلب یہ ہے کہ یہ سنسکرت لاحقہ جمع "ان" سے تراشا گیا ہے۔

"میں" سنسکرت "میا" سے لیا گیا ہے جو متکلم کی آلی حالت ہے۔ (میا = مئے = مئی = میں) شاید اس لیے یہ آلی حالت میں (نے کے ساتھ) استعمال ہوا ہے۔

"ہم" ویدک سنسکرت "اسمے" سے ماخوذ ہے۔ درمیانی مدارج یہ ہیں: اسمے = اَسمے = اَمہے = اَمھ = ہم۔

۱۰۶ــــــ "مجھ" میں کی محرف حالت ہے (مُج، منج)

---

[1] اس کو "ہم" کا دوسرا رُوپ کہہ سکتے ہیں جبکہ اس کے ساتھ ساتھ قدیم میں "ہم" بھی موجود ہے۔ اور ہم، ہمنا، ہمن کا استعمال ایک ہی شیخ پر ملتا ہے تو سہل بات یہی ہے کہ یہ تینوں رُوپ مروج تھے۔ یہ قدیم کی بات ہے کہ "ہم" کی جمع "ہموں" بھی پائی جاتی ہے جس طرح سب (سبھ) کی جمع سبن (قدیم) سبھوں آج تک مروج ہے۔

سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یُوں
اوروں پہ ہے وہ ظلم جو مجھ پر نہ ہُوا تھا (غالب)

"مج" یا "منج"[1] خالص دکنی روپ ہیں ویسے دکن میں "مجھ" بھی استعمال ہوا ہے۔

منج بروے کا کیا کاری ہے (ارشاد نامہ)

کہ مجھ روپ تجھے ہوا دھک سشہ دکن (ابراہیم نامہ)

یہی مجھ منے عشق ہور شوق تھا (گلشن عشق)

"مجھ" سنسکرت "مہیم" پراکرت "مجھ" سے اخذ کیا گیا ہے۔

۱۰۷ــــــ "میں" اور "ہم" کی اضافی اور مفعولی حالتیں بھی ہیں۔

اضافی: میرا ہمارا

مفعولی: مجھے ہمیں

"ہے یو میرا میریچ پاس" (ارشاد نامہ)

سمجھنے کا یا رب مجھے گیان دے (نجات نامہ)

ہمیں کیا جو ہمنا تے کچھ ہوئے بات (گلشن عشق)

لیکن "میرا"[2] اور "ہمارا" دکن میں محرف کے طور پر بھی استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے:

او میرے سوں بیعت کرے گا (معراج العاشقین)

میرے پر ایمان (〃 〃)

ہمارے کیا کیا چھوڑیا ہے دیک (نجات نامہ)

"میرا" کا "را" لاحقہ اضافت "کیر" سے لیا گیا ہے۔ "مجھے" اور "ہمیں" کی "ے" پراکرت "ہِن" سے ماخوذ ہے۔

---

[1] یہ "منج" سندھی میں اب تک موجود ہے۔ اس کی ایک قدیم شکل "منجھ" بھی ہے۔ اردو میں بھی منج، منجھ اب "مج" "مجھ" ہے۔ یہ "ج" "جھ" قدیم اضافی علامت ہے جس کی "جا" شکل آج کی سندھی میں موجود ہے۔ "منجا = میرا" شمال کے دیہات میں یہ "کا" کی شکل میں مستعمل ہے۔ "موکا" بجائے "میرا" عام استعمال پایا جاتا ہے۔ یہ "ج" "جھ" بحالت مجرور یا مغیرہ مستعمل ہوگیا کہ ان میں نسبت تعلق یا اضافت ضروری ہے اور کچھ تہذیب زبان کا بھی عمل دخل ہے۔ ورنہ "میں" بھی مغیرہ حالت میں بعض علاقوں میں مروج ہے۔ مثلاً بمبئی وغیرہ میں عام ہے "میں کو دو"، "میں کو مارو" وغیرہ۔ (ق)

[2] یہ عمل آج بھی دکن، بمبئی، گجرات، کراچی (قدیم) میں پایا جاتا ہے۔ (ق)

تاکید متکلم :

جب تک وہ مردود زندہ ہے میں آپ کوسوں بھاگتا ہوں (شاہد رعنا)

کہا ہم آپ آتے ہیں خط کے جواب میں (خزینۃ الخیال)

۱۱۲ــــــ "اپنا" اضافی حالت ہے آپ کی۔ اور "آپس" محرف حالت۔

یوں بوجھ توں اپنی ریت (ارشاد نامہ)

قدیم دکنی میں "اپنا" کی جگہ "اپن"[1] اور "آپس" کی جگہ "اپس" کا استعمال محرف کے طور پہ زیادہ ہوا ہے۔

کہا درویش اپس میں آپ سوں یوں (پھول بن)

اپس کی بات میں ایسا توں یک ہے (" ")

پو سنگ کاج کرتے دیکھے، گن اپن میں (علی)

جھونیک سیاسیتی اپن (قلی قطب)

"آپ" کی اصل ہے سنسکرت "آتم" اور پراکرت "آپ"۔ اس پر لاحقۂ اضافت "سی" اضافہ ہونے سے "آپس" وجود میں آیا اور اس سے "اپس" یا "آپس"۔

"اپنا" نتیجہ ہے "آپ" اور "نا" (سنسکرت لاحقۂ اضافت) کی ترکیب و تالیف کا۔

"وہ" غائب کی ضمیر ہے اور اشارہ بعید بھی۔ قدیم اردو میں غائب کے لیے "سو" (سنسکرت "سہ") استعمال میں آتا تھا۔

سو ہے نکٹ ذات قدیم (ارشاد نامہ)

لیکن اب "سو" "جو" کے جواب میں اسم موصول کے مقابل کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے اور بس۔

جو ہو سو ہو۔ جو تمھارا جی چاہے سو کرو۔

"تس" "سو" کی محرف حالت ہے اور "تن" اس کی جمع ہے۔

حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا
منہ تکا ہی کرے ہے جس تس کا (میر)

---

[1] "اپن" بجائے "آپ" بھی قدیم میں پایا جاتا ہے اور بمبئی، گجرات، کراچی (قدیم) کی اردو بول چال میں اب بھی مروج ہے، اور یہ ضمیر متکلم کے طور پر بجائے "ہم": اپن نے کب کہا تھا، اپن سے نہ بولو، اپن کا مال کدھر گیا، اپن کو دس کا نوٹ ملا تھا۔ (ق)

نہ بن جوہری تس پچھانے نہ کوئی (ابراہیم نامہ)

مار ڈالے ہے مجھے تس تے ہنوز (پنچھی نامہ)

۱۱۳ــــــ قریب اور بعید دو قسم کے اشارے ہیں۔ "وہ" دور کا اشارہ ہے اور واحد کے لیے ہے۔ "وَے" اس کی جمع ہے۔ "اُو" (اُ) اور "وو" اس کی دو شکلیں ہیں۔

وہ ہے احد (نجات نامہ)

یہ ندا سن اُو دِوانا چپ رہا (پنچھی نامہ)

وو پہاڑ کے پیچھے گیا (کہانی نو سر ہار)

او جو خلقت ہے انھو کے درمیان (تفسیر مرتضوی)

"وَے"[1] اب متروک ہے۔ قدیم اردو میں اس کا استعمال عام تھا۔

لگے دیکھنے وَے تری ذات پاک (گلشن عشق)

ڈاکٹر چیٹرجی "وہ" اور اس کی مختلف شکلوں کو سنسکرت کے فرضی روپ "اَوَ" سے نکالتے ہیں اور سری اودھ پراکرت "اُس" اور اپ بھرنش "س" سے لے کر گیلاگ "اوشہ" ایک کلمہ فرض کرتے اور اسے "وہ" کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ لاحقۂ جمع "ے" اضافہ کرکے "وہ" سے "وے" بنا لیا گیا۔

۱۱۴ــــــ "اُس" محرف حالت ہے "وہ" کی۔ "اُن" اس کی جمع ہے۔

وہ کیا اُس کوں جانے (خدا نامہ)

تیرا اک وزیر اُس پہ بچاری اچھے (علی نامہ)

ان اس میں جواب دیتا (ارشاد نامہ)

کہ آدھا ہے ان نے ادھار کوں (گلشن عشق)

"اُن" کا ایک روپ "اُنن" قدیم دکنی میں استعمال ہوا ہے۔

شہنشاہ اُنن کو لگے کاٹنے (علی نامہ)

"اُس" کی اصل سنسکرت کا فرضی روپ "اوشیہ" پراکرت "اوس" اور "اُن" کی اصل "او" کی اضافی حالت "اوانام" ہے۔ "اُنن" کا آخری "ن" جمع کے لیے ہے۔[2]

---

[1] وُے بول چال میں آج تک مروج ہے اور عہد میر و سودا کے بعد تک مروج رہا ہے۔ (ق)

[2] اگر یہ "ن" جمع کے لیے علیحدہ مانا جائے تو پھر "ہمن، ہمنا، تمن، تمنا" کے "ن" کو بھی یہی تسلیم کرنا چاہیے۔ "اُن" خود جمع ہے اس پر جمع کے "ن" کا مزید اضافہ کیسے ہے؟ "اُنن" بھی ان کا ایک روپ ہے جو "انا" کی شکل میں آیا ہے اور "انھو، تمنو" یہ اثر علاقائی بولیوں کی بدولت ہے کہ شمال میں یہ عمل نہیں ملتا۔ (ق)

۱۱۵ ـــــ "اُسے" "اُس" کی مفعولی حالت ہے اور "اُنھیں" (انھے) "اُن" کی۔

جیسے جیون منگتا اسے دوں رکھت (سب رس)

جانا اُنھیں کدھر ...... (خوش نامہ)

کھلاوے کوں نہلاوے اُنھے کوں آسے کر مجھ بن (کربل کتھا)

"سے" اور "یں" کی بابت بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ جمع کے لاحقے ہیں اور عموماً اسمائے مطلقہ

میں استعمال ہوتے ہیں۔

۱۱۶ ـــــ "اُنھوں" (اُنھو) قدیم اردو اور دکنی میں "اُن" (جمع) کی جگہ عموماً محرف حالت میں

استعمال ہوا ہے۔

جو کوئی چور ہے دے اُنھوں کوں سزا (نجات نامہ)

ابر سا رنگ برنگ اُنھوں کا لباس

برق در دامن اور بدن الماس (طوطی نامہ)

جو لوگ پچھے ہوئے ہوں اُنھوں کی تیغ کھچے

کہ وسعت کرتے ہیں ایسی ہی فتح فیاض کا (انشا)

"دہرے کے دنوں بہ عادت حسن اور بازار کی رونق دیکھ کے دل اُنھوں کا نہ ہوتا تھا کہ

کسی اور جگہ جا سکے۔" (مہر افروز)

لیکن آج صرف "نے" کے ساتھ (فاعلی حالت میں) مستعمل ہے۔ شاید اس لیے کہ

پہلے "اُس" اور "اُن" کا فرق نہیں تھا اور "اُن نے" بولتے ہیں "اُن نے" ہو جاتا ہے۔

"مومن خاں کا حال جس سے طلب کیا تھا اُنھوں نے ان کے چند احکام متعلق

نجوم لکھ کر بھیج دیے۔" (مکاتیب حالی)

"اُس" کی جگہ "وِس" اور "اُن" کی جگہ "وِن" کا دکنی میں استعمال غالباً برج کا اثر ہے۔

کریں بھوگ ون کے (قلی قطب شاہ)

۱۱۷ ـــــ "یہ" اشارہ قریب ہے۔ اس کی تین شکلیں قدیم اردو میں رائج تھیں: اسے۔

یہے۔ یو۔

(i) "اِسے":

اِسے عشق کر نہ چلیلا (من لگن)

اِسے دو رہ محبت (معراج العاشقین)

اِسے دو وستے ایک ہی بات (ارشاد نامہ)

(ii) "یہے":

جوں اسیچ کا یہے ٹھٹا ہے (ارشاد نامہ)

(iii) "یُو":

دھریا جس نے یُو گلشنِ عشق نام (گلشنِ عشق)

غفلت کرتا سو یُو کون (ارشاد نامہ)

سنسکرت اسم اشارہ "اسے تت" سے "تت" گرنے کے بعد "اِسے" وجود میں آیا۔

اس سے "یہے" (یہ) بنا اور "یہے" سے "یُو"۔ "اِسے" مدا گجراتی اور اودھی میں بھی ہے۔

"یُو" صرف اودھی میں ہے[1]۔

۱۱۸ ـــــ "اِس" اور "اِن" محرف حالتیں ہیں۔ "اِس" واحد کے لیے اور "اِن" جمع کے لیے۔

اس بن اس کوں سارا اڑ (ارشاد نامہ)

بن اس سوں دایم یاری ہے (" ")

یوں اس میں اچھتے جیوا (" ")

"اِنّن"، "انو"، "انوں" یہ تین شکلیں ان کی دکنی میں جمعیت پر زور دینے کے لیے

استعمال ہوتی ہیں۔

انوں دونوں اماں بیٹے کہانی کو...... (کہانی جر پاشا)

"اِس" کا "س" جیسا کہ بیان کیا گیا سنسکرت لاحقہ اضافت "سی" سے ماخوذ ہے

اور "اِن" ایک وضعی صیغے "انیام" سے لیا گیا ہے۔

۱۱۹ ـــــ "اِسے" "اِس" کی مفعولی حالت اور "اِنھیں" "اِن" کی۔ رہا "اِنھوں"

سو وہ صرف "نے" کے ساتھ استعمال ہوا ہے[2]۔

اُنھوں نے جو سمجھ رکھا ہے وہ درست نہیں۔

۱۲۰ ـــــ [illegible] دو لفظوں کو ایک دوسرے سے ملاتا اور بنیادی فقرے کے

بنیادی [illegible] تعین کرتا ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

آیا ہے [illegible]

[illegible]

صلہ نہ آئے (جو عموماً جملہ ہوتا ہے)۔ اسم موصول جملے کا جزو نہیں بنتا؛ جو کل میرے پاس آیا تھا وہ آج بیمار پڑ گیا۔

"جو" اسم موصول ہے" اور کل میرے پاس آیا تھا" اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مسندالیہ ہوتے۔ "وہ آج بیمار پڑ گیا" مسند ہے۔ "جو" یا "شخص" کی بابت (اس مثال میں مقدر ہے) اشارہ کر رہا ہے۔ یعنی جو شخص کل میرے پاس آیا تھا۔

۱۲۱ ——— "جو" موصول ہے۔ "جس" اس کی محرف حالت اور "جن" یا "جنھوں" اس کی جمع لیکن "جنھوں" حرف مغیرہ "نے" کے ساتھ خاص ہے۔

راہ اچھے جو کمل . . . . . (علی نامہ)

جس کا نانو خدا ہے۔ (سب رس)

جن تم کیتا کرن بار (ارشاد نامہ)

"جو" کی ایک قدیم شکل ہے "جے" (یائے مجہول) ہے۔ غالباً "جو" کی جمع ہے۔

جے ناکا یا دھول ملا دیں (خدا نامہ)

"جو" واحد کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

"جو" سنسکرت "یو" سے ("ی" کو "ج" سے بدل کر) ڈھالا گیا ہے۔

۱۲۲ ——— "کنایات" غیر متعین اور نامعلوم اشخاص و اشیا کی جگہ استعمال کیے جاتے اور عام اسمائے مطلقہ کی طرح ان کی قائم مقامی کرتے ہیں۔

اشاراتی، موصولاتی، استفہامی، کنایات کی تین قسمیں ہیں۔ کچھ ذات یعنی شخصیت کے لیے ہیں اور کچھ تعداد، مقدار، حالت یا کیفیت کے لیے۔ جو ذات یا شخصیت کے لیے ہیں۔ وہ بسیط یعنی غیر مرکب ہیں۔ باقی دو دو کلموں کو ترکیب دے کر ڈھال لیے گئے۔ بسیط کل چھے ہیں؛ کون، کیا، کوئی، کئی، کے، بجے۔

۱۲۳ ——— "کون" استفہامی ہے اور ذی یات یعنی اشخاص کے لیے ہے۔ "کس" (واحد) اور "کن" (جمع) اس کی محرف حالت ہے۔ "کسے" (واحد) اور "کنھیں" (جمع) مفعولی حالت۔

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق (غالب)

تو کون سو توں چھپا نتا ہے (من لگن)

اس نے ظالم کہنا کس (ارشاد نامہ)

کاں سے میں کیسے دیکھوں (معراج العاشقین)

"کون" کی جگہ دکن میں "کن" کا استعمال بھی ہوا ہے۔

تیری صفت کن کر سکے (قلی قطب)

"کون" "معربی اپ بھرنش" "کون" سے لیا گیا ہے یا "کیتو وُ" سے۔ چیٹرجی سنسکرت "کر پنتہ" سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ رہا "کس" سو جیسا کہ ضمیر اور اشارے کے سلسلے میں بیان کیا گیا سنسکرت "کش" اور پراکرت "کس" اس کی اصل ہے۔

۱۲۴ ——— "کیا" استفہامی غیر ذی حیات یعنی اشیا کے لیے ہے جس کی ایک شکل "کی" صرف دکنی میں دیکھی گئی ہے۔

توں کون ہے کیا سو تو نچ جانے (قطب مشتری)

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

کی گت ہوئے دیک اماس (ارشاد نامہ)

"کیا" سنسکرت "کم" سے وضع ہوا ہے۔

۱۲۵ ——— "کوئی" "غیر معین فرد واحد کے لیے ہے۔ "کسی" اس کی محرف شکل ہے:

نہ اس شاہ سا شہر ولایت ہے کوئی

نہ مجھ شاہ استاد سا ہور کوئی (ابراہیم نامہ)

اب لگ گئی تو کسی نہ راسے پوچھا (من لگن)

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو (غالب)

"کوئی" پراکرت "کوئی" اور سنسکرت "کوپ" (کو + اپ) سے لیا گیا ہے۔ اور "کس" کی پیدائش سنسکرت "کشیاپ" سے ہوئی ہے۔

۱۲۶ ——— "کچھ" "غیر معین مقدار یا تعداد کے لیے ہے۔ دکن میں "کچ" کا استعمال زیادہ ہوا ہے۔

نہ تھا کچ سو روشن (ابراہیم نامہ)

ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

"کچھ" کی اصل سنسکرت "کنچت" بتائی گئی ہے۔

۱۲۷ ——— "کئی" غیر معین مجموعہ افراد و اشیا کے لیے ہے۔ "کے" اس کی استفہامی شکل ہے۔

شاہ و گدا کئی نیا (علی نامہ)

"کئی" سنسکرت "کتی" کا بدلا ہوا روپ ہے۔

۱۲۸ ——— حالت یا صفت بتانے والے کنایے "سا" کی ترکیب سے بنے ہیں۔ جو یہ ہیں؛ جیسا، کیسا، ویسا، ایسا۔

"جیسا" (جے + سا) کے معنی ہیں جس طرح یا جس نوعیت یا صفت کا۔

ہے جیسا وہی دکار (ارشاد نامہ)

"کیسا" (کے + سا) کے معنی ہیں کس طرح یا کس نوعیت یا صفت کا حال:

توں کیا پگڈیا کیسا گن (ارشاد نامہ)

"ویسا" (وے + سا) اُس طرح کا، اُس قسم کا:

جیسا تو اب ویسا جان (ارشاد نامہ)

"تیسا" (تے + سا) کے معنی ہیں ویسا۔ یہ دکنی میں نہیں ملا، جیسے کو تیسا۔

"ایسا" (اے + سا) اِس طرح کا:

جے ایسا گیان منج چھوٹا (ارشاد نامہ)

"سا" کی اصل سنسکرت "اوش" (ش) بتائی جاتی ہے۔ "سا" اس کی تانیث سے اور "سے" جمع۔

۱۲۹۔ مقدار یا تعداد ظاہر کرنے والے کنایات "تا" یا "تنا" بڑھا کر بنائے گئے ہیں وُہ یہ ہیں: جتنا (جتا) کتنا (کتا) اتنا (اتا) وتنا (وتا) اُتنا (اُتا) جتا (جے + تا) جس قدر، جس مقدار میں۔

اس کی ایک شکل "جتے" جمع کے لیے ہے اور تعداد کے لیے خاص ہے۔

"کتا" (کی + تا) کس قدر، کس مقدار میں:

جانے ہیں کتے زمانے سے چھوڑا تھا (کہانی اندر باشاہ زادی)

"وتا" (وِ + تا) اس قدر، اس مقدار میں۔

جتے سلج باندے وِتے (علی نامہ)

"اُتا" (او + تا) "اِتا" (اِ + تا) اُس قدر، اس مقدار میں:

میں اِتا سمجھتا ہوں وہ ہے احد (نجات نامہ)

"تا" دکنی میں زیادہ تر تخفیف کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور اس کی اصل سنسکرت "یت" سے زیادہ قریب ہے۔ "تی" اس کی تانیث ہے اور "تے" جمع۔

"اتا" کی جگہ "یتا" کا استعمال بھی دکنی میں دیکھا گیا ہے۔

یتے آدمی بیچے تھے اُس گھر کے دروازے [illegible]

۱۳۰۔ کیفیت [illegible]

[1] [illegible]

جو درج ذیل ہیں: جیوں (جوں) کیوں، تیوں (توں)، یُوں، وُوں۔

"جُوں" (ج + وں) جس انداز سے، جس طور پر:

کیا جوں تیر من کے مس کر کچن (گلشن عشق)

"تُوں" (تُ + وں) اُس طرح، اُس انداز سے:

جُوں اُس کا تھتا تیوں (ارشاد نامہ)

"یُوں" (یُ + وں) اس طور پر:

جوں تم اکھیں یوں آسمان (ارشاد نامہ)

"وُوں" (وُ + وں) اس انداز سے۔ دکنی میں اس کی جگہ "توں" استعمال ہوا ہے۔

"کیوں" (کِ + یوں) کس طرح، کس انداز سے:

مجھو نیا بیچ کیوں کر آگوے (سکھ سہیلا)

"یُوں" کا ماخذ "ام" بتایا گیا ہے۔ "کیوں" سنسکرت "کم" سے ماخوذ ہے "جُوں" "جم" سے اور "تُوں" "تم" سے۔ "وُوں" ان کے قیاس "و" کے آخر میں "ں" بڑھا کر بنا لیا گیا ہے۔

۱۴۱۔ "عدد" کے معنی ہیں شمار یا گنتی اور اعداد وہ اسما ہیں جو اشخاص یا اشیا کی تعداد یا گنتی بتاتے ہیں:

ایک مرد، دو کتابیں، تین من، چار سیر، پانچ گز۔

۱۴۲۔ صحیح اور مکسور اعداد کی دو قسمیں ہیں:

ایک، دو، تین صحیح اعداد ہیں۔ پاؤ، آدھا، پون مکسور۔

۱۴۳۔ اعداد کے دو حصے کیے جا سکتے ہیں۔ اصلی: یہ معدود کی شمار یا تعداد بتاتے ہیں۔ اور ترتیبی معدود کے درجے یا مقام کی تعیین کرتے ہیں۔ ایک، دو، تین وغیرہ اصلی اعداد ہیں۔ پہلا، دوسرا، تیسرا وغیرہ ترتیبی۔ اصلی اعداد بنیادی کہے ہیں۔ ترتیبی ان سے ڈھال لیے گئے ہیں۔

۱۴۴۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھے، سات، آٹھ، نو اعداد کی اکائیاں (آحاد) ہیں۔ "ایک" براہ راست سنسکرت سے ماخوذ ہے۔ "اک"[1] اس کی تخفیفی شکل مرکبات میں استعمال ہوتی ہے، جیسے: اکا (اک + کا)[2] اکرا (اک + درا) اکیس (اک + بیس)

[1] شعر میں بھی "اک" وزن کی مناسبت کی وجہ سے آتا ہے:
تھی وہ اک شخص کے تصور سے — اب وہ رعنائی خیال کہاں (غالب) (ق)

[2] "اک + ا" نسبتی ہے۔ "اک + کا" بھی تجزیہ صحیح ہے۔ (ق)

ایک جا گا چلنا (معراج العاشقین)

"یک" بھی اس کی ایک شکل ہے جو فارسی "یک" کے زیر اثر ہے۔ اردو میں زیادہ رائج ہے۔

یکساں رہے راس ہور رتی میں (من لگن)

"دو" سنسکرت "دُوِ" سے ڈھلا ہے۔ "دُ" اور "بَ"[1] اس کی تخفیفی شکلیں ہیں۔ جیسے:

دُہرا (دُ + ہرا) دُگنا (دُ + گنا) بیالیس (بَ + چالیس)

اِن دُو بنانا ہے روَچ (ارشاد نامہ)

"تین" پراکرت "تِن" سنسکرت "تِر" سے لیا گیا ہے۔ "تِر" اور "تِ" اس کی ترکیبی شکلیں ہیں۔ جیسے: ترپولیا (تِر + پولیا) تگنا (تِ + گنا)

تیس سیپارے ہیں تین قسم کے (معراج العاشقین)

"چار" کی اصل پراکرت "چتّار" سنسکرت "چتوارِ" ہے۔ اس کی تخفیفی شکل "چَو" پراکرت "چَو" سنسکرت "چتُر" سے اخذ کی گئی ہے جیسے: چوبیس[2]؛

چار چیزاں چھپا کر (معراج العاشقین)

"پانچ" سنسکرت "پنچ" سے لیا گیا ہے جو پانچ کی تخفیفی شکل "پچ" سے زیادہ قریب ہے جیسے: پچ میل، پچ گنا۔

ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں (معراج العاشقین)

"چھ" (چھے) کا تعلق پراکرت "چھ" سے ہے۔

اگلے چھے ماس کوں ہوگا سو بولے (پھول بن)

"سات" سنسکرت "سپت" پراکرت "سَتّ"۔

سات زمین سات آسماں (سب رس)

"آٹھ" پراکرت "اَٹھ" سنسکرت "اشٹ"۔ "نَو" سنسکرت "نَوَ"۔

یو سات دھرت ہیے نوگگن کہاں (من لگن)

---

[1] "بَ" کا ماخذ "دُو" نہیں ہے۔ گجراتی اور سندھی میں "بہ" مطلقاً "دو" کے لیے مستعمل ہے اور اردو میں مرکبات اعداد میں پایا جاتا ہے ان کے علاوہ نہیں۔ (ق)

[2] اس کی ایک شکل "چَوتھ، چَوت" بھی ملتی ہے: چوتھی، چَوتھیا، اموس کی چَوتھ کو بھگتان ہوگا۔ چوتھی کتاب (ترتیبی)، چوتھا سبق (ترتیبی)، چوتھیا بخار (نسبتی)۔ اسی طرح "چال" بھی مبدلہ شکل ہے: چالیس، چالا۔ چَوترا (چَوت + را) = چوکور (ق)

۱۴۵ــــــ دس[10]، بیس[20]، تیس[30]، چالیس[40]، پچاس[50]، ساٹھ[60]، ستر[70]، اسّی[80]، نوّے[90]۔

اعداد کی دہائیاں[1] (عشرات) یا عقود ہیں جنھیں اکائیوں کے ساتھ ترکیب دے کر درمیانی اعداد بنائے جاتے ہیں۔

"دس" سنسکرت "دش"

دنیا میں دس آخر کوں ستر (سب رس)

"بیس" (بی + س) پراکرت "بیس" سنسکرت "وِنشتِ"۔

جوانی کے برس سو بیس لگ ہے (پھول بن)

"تیس" (تی + س) سنسکرت "ترِنشت"، "چالیس" (چالی[2] + س) پراکرت "چتالیس" سنسکرت "چتوارِنشت"؛

لگا لگ اسی دھات چالیس دن (قلی قطب شاہ)

"پچاس" (پچا + س) سنسکرت "پنچاشت"؛

سبھی غرق ہو جا کے یاراں پچاس (قلی قطب شاہ)

"ساٹھ[3]" پراکرت "سٹھِ" سنسکرت "ششٹِ"؛

ٹکڑے جو ہیں تن کے تین سو ساٹ (من لگن)

"ستر" پراکرت "ستّرِ" سنسکرت "سپتتِ"؛

دُنیا میں دس آخر میں ستر (سب رس)

"اسّی" پراکرت "اسی ء" سنسکرت "اشیتِ"؛

ایک لکھ اسی پیغمبراں (قلی قطب شاہ)

"نوّے" پراکرت "نوّوے" سنسکرت "نَوَتِ"

۱۴۶ــــــ سو، ہزار، لاکھ، کروڑ، ارب، کھرب، سنکھ، مہاسنکھ ....

سیکڑے (مئات) ہیں۔

"سو" پراکرت "سا" سنسکرت "شت" فارسی صد (سد)؛

آٹھ سو بار نہاویں (سُکھ سہیلا)

---

[1] "دہائی" (دھائی) کو "دہاکا" (دھاکا) بھی کہا جاتا ہے۔ (ق)

[2] چالیس (چال + س)، چال مبدلہ شکل ہے چار کی۔ "چتالیس" (چتال مبدلہ شکل چتوار کی بحذف "و") (ق)

[3] اس کا ایک روپ "ساٹ" بھی ہے۔ (ق)

"ہزار" فارسی ہے۔ دکنی میں "سہس" (سنسکرت "سہسر") زیادہ استعمال ہوا ہے:

ایسے عام چند ہزار (ارشاد نامہ)

"لاکھ" (لکھ) سنسکرت "لکش":

اگر لکھ امولک رتن جوت ہوتے (ابراہیم نامہ)

"کروڑ" سنسکرت "کوٹ":

ہے کڑورن کیرا بیرا (خدا نامہ)

"ارب" سنسکرت "اربُد"۔

۱۴۷ —— گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ، پندرہ، سولہ، سترہ، اٹھارہ۔

درمیانی عدد "دس" کی ترکیب سے بنے ہیں۔

"دس" کی تین تبدیل شدہ شکلیں ہیں۔ "دہ" جس میں "س" نے "ہ" کی شکل اختیار کی۔ یہ چودہ (چو + دہ) میں استعمال ہوا ہے۔ "لہ" جس میں "دس" کی "د" نے "ل" کا روپ دھارا۔ "سولہ" (سو = چھو + لہ) میں ہے۔ بقیہ اعداد میں "دس" "رہ" کی شکل میں (د = ر + س = ہ) نمودار ہوا ہے۔

"گیارہ" (اگیا = اکیا + رہ) سنسکرت "ایکادش"۔

"بارہ" (با + رہ) سنسکرت "دوادش"۔

بارہ اماماں پن کہی (علی نامہ)

"تیرہ" (تے + رہ) سنسکرت "ترے دش"۔ "چودہ" (چو + دہ) سنسکرت "چتردش"۔

بڑائی چودہ اماماں نا فوسوں

"پندرہ" (پند + رہ) میں "پنچ" کی "چ" نے "د" کا روپ دھار لیا ہے۔ "سولہ" (سو + لہ) میں جو پراکرت "سودش" سے ماخوذ ہے۔ "دس" کی "د" نے ہی "ل" کا روپ نہیں دھارا "چھ" کی "چ" بھی "س" کی شکل میں نمودار ہوئی ہے۔ رہا "سو" کا "و" سو وہ "ہ" (چھ) کی قائم مقامی کر رہا ہے۔

دوجے چاند سولہ کلا جاگتے (ابراہیم نامہ)

"سترہ" (ست + رہ) "اٹھارہ" (اٹھ + رہ) میں "سات" اور "آٹھ" اپنی تخفیفی شکل میں ہیں اور یہی ان کی اصل پراکرتی شکلیں بھی ہیں۔ "اٹھارہ" کا درمیانی "ا" اتصال یا اشباع کا ہے، گیارہ اور بارہ میں بھی ہے اور اصل سنسکرت میں بھی۔

۱۴۸ —— اُنیس، اکیس، بائیس، تئیس، چوبیس، پچیس، چھبیس، ستائیس، اٹھائیس۔ یہ نو اعداد ہیں اور "بیس" کی تخفیفی شکل "ئیس" کی ترکیب سے بنے ہیں۔

اُنیس (اُن + ئیس) اکیس (اک + کیس) پچیس (پچ + چیس) ان تین اعداد میں جیسا کہ ان کے تجزیے سے ظاہر ہے "بیس" کی "ب" ماقبل لفظ کے آخری حرف سے بدل گئی ہے۔ "اُن" "ایکون" (ایک + اُن) کی تخفیف ہے۔ اور اس کے معنی ہیں ایک کم۔ اُنیس کے معنی ہوئے ایک کم بیس۔ دکنی میں "ا" کو "و" سے بدل کر "ونیس" کہتے ہیں۔ "چھبیس" (چھ + بیس) کی "ب" ان اعداد کے قیاس پر مشدد ہوئی ہے۔ "بائیس" (ب + ا + ئیس) "ستائیس" (ست + ا + ئیس) "اٹھائیس" (اٹھ + ا + ئیس) ان تین اعداد میں اکائی اور دہائی کے درمیان اتصالی "الف" بڑھایا گیا ہے۔

۱۴۹ —— اُنتیس، اکتیس، بتیس، تتیس، چوبیس، پچیس، چھبیس، سینتیس، اڑتیس۔ یہ نو اعداد "تیس" کی مدد سے بنے ہیں۔